سقوطِ ڈھاکہ کے کردار بے نقاب

تاشقند سے شملہ تک

کنور انتظار محمد خاں

تاشقند سے شملہ تک

کنور انتظار محمد خان

صراطِ مستقیم پبلشرز لاہور

ضابطہ

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

سال ——— ستمبر ۱۹۷۷ء

طبع ——— اوّل

تعداد ——— ۱۰۰۰

ناشر ——— صراطِ مستقیم پبلشرز پرانی انارکلی لاہور

قیمت ——— Rs 200/ روپے

ملنے کا پتہ

یونیورسل بکس

ذوالقرنین چیمبرز۔ اردو بازار۔ لاہور

پاکستان کے

اُن شہداء کے نام

جنہوں نے ۱۹۷۱ء میں
مشرقی پاکستان کے دفاع
میں خون کا نذرانہ پیش کیا۔

"مومن کی فراست سے ڈرو
کیونکہ
وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے"
(حدیث شریف)
KUTUB KHANA
JALALI BOOKS
JALALI

حرفِ آغاز

راقم الحروف دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران لاہور میں قانون کا طالب علم تھا۔ اور جنگ کے برآمد ہونے والے نتیجہ کے سوگ میں پوری قوم کے ساتھ شریک تھا۔ اسی وقت سے میرے ذہن میں سوال تھا کہ یہ کیونکر ہوا؟ کیوں ہماری فوج کو بہتر طریقے سے استعمال نہ کیا گیا؟ مشرقی پاکستان میں کیوں ہتھیار ڈالے گئے؟ یہ سوالات میرے ذہن کو ہر وقت جھنجھوڑتے رہتے۔ لیکن میں ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر تھا۔ میں تو میدانِ جنگ میں نہیں تھا۔ میں نے محاذ کی بجائے شہر میں صرف بھارتی طیاروں کو آزادی سے پاک فضا میں بم گراتے اور گولیاں برساتے دیکھا تھا۔ یہ طیارے ۱۹۶۵ء کی طرح کیوں نہیں گرائے گئے؟ اس کا جواب میرے پاس تھا۔ طیاروں کو

گرانے کے لئے کوئی پاکستانی طیارہ فضا میں نہیں آیا۔ اور نہ ہی طیارہ شکن توپوں کے منہ سے گولے نکلے اس لئے یہ طیارے اپنی مہم میں کامیاب ہو کر سلامت اپنے اڈوں کو رخصت ہو گئے۔ توپوں نے گولے اس لئے نہیں برسائے کہ ان کو فائر کرنے کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ فوجی تو حکم کے پابند ہوتے ہیں صاف ظاہر تھا محاذ پر ہونے والے واقعات محاذ پر لڑنے والے سے ہی معلوم کئے جا سکتے تھے۔ "جہاں کوئی فوجی ملے اس سے حالات پوچھوں" یہ میرے اندر بسنے والے انسان کا حکم تھا۔ میں اس حکم کی تعمیل میں نکل کھڑا ہوا۔ اور ایک عرصہ تک تعمیل کرتا رہا۔ اس عرصہ میں جہاں بھی کوئی فوجی ملتا میں اس سے جنگ کی باتیں چھیڑ دیتا۔ سفر میں، بس میں، بس سٹاپ پر، کچہری کے احاطہ میں، شادیوں کی محفل میں اور مرگ کی مجلسوں میں مجھے کوئی فوجی جوان نظر آتا میں اس کے قریب ہوتا، آہستہ آہستہ مانوس ہوتا اور پھر وہ سب باتیں پوچھنے میں کامیاب ہو جاتا جو میں چاہتا تھا میرا تعلق بھی مارشل خاندان سے ہے۔ والد صاحب ۱۱۔ کیولری سے ریٹائرڈ ہوئے تھے دوسرے عزیز بھی پاک فوج میں تھے۔ اسی وجہ سے میں سپاہی کی نفسیات سے واقف تھا۔ اس لئے مجھے اپنے مقصد کے حصول میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ ایک سال کے دوران تقریباً چار سو فوجیوں سے معلومات حاصل کر کے ذہن کو دیں جو محفوظ

کر لی گئیں۔ ان معلومات ہی کی بنا پر میں نے کتاب لکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ حقائق سے اُس قوم کو بھی آگاہ کر سکوں جس کے ساتھ ظلم ہوا لیکن ظالم کے چہرے سے کوئی نقاب نہ اُٹھا سکا۔ یہ مظلوم کا ازلی حق ہے کہ اُسے ظالم کا پتہ ہو۔

پھر اتفاق ایسا ہوا۔ یحییٰ خان نے اپنا شادمان کالونی لاہور میں واقعہ الاٹ شدہ پلاٹ فروخت کر دیا۔ یحییٰ خان چونکہ نظر بند تھے وہ سب رجسٹرار لاہور کے روبرو پیش ہو کر بیعنامہ تصدیق نہیں کروا سکتے تھے۔ چنانچہ خریدار کی مرضی سے سب رجسٹرار صاحب لاہور نے مجھے یحییٰ خان کے پلاٹ کی فروخت کے بارے میں بیان لینے کے لئے کمیشن مقرر کر دیا۔ میں۔ خریدار بروکر اور وثیقہ نویس ۶۱۔ ہارلے سٹریٹ راولپنڈی پہنچے۔ یحییٰ خان نے ہمیں ۱۲ بجے دوپہر کا وقت دیا تھا۔ پر وانہ لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ہم ایک بجے اُن کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ یحییٰ خان کے لڑکے علی یحییٰ ملے۔ جنہوں نے کہا۔ "ابا جان تو سو گئے ہیں کل نو بجے تشریف لائیں۔" میں نے اُن سے کہا کہ آپ کسی طریقہ سے ہمیں آج ہی فارغ کرا دیں۔ کیونکہ کل لاہور میں کئی عدالتوں میں مقدمات کے سلسلہ میں مجھے پیش ہونا ہے۔" لیکن بات نہ بنی۔ ہم سب پارک ہوٹل آ گئے۔ اگلے روز نو بجے یحییٰ خان کے پاس پہنچے۔ یحییٰ خان کے پاس ایک بریگیڈیر صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

بیعنامہ کا مسودہ یحییٰ خان کو دکھایا گیا جو انہوں نے بریگیڈیر صاحب کی مدد سے کچھ ترمیم کر کے پاس کر دیا۔ وثیقہ نویس ایک طرف بیٹھ کر بیعنامہ لکھتے رہے اور میں یحییٰ خان صاحب سے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے مختلف موضوعات پر باتیں کرتا رہا ــــ یحییٰ خان سے مفید معلومات حاصل کیں۔ اُن سے چار گھنٹے باتیں ہوئیں۔ دو بار چائے پی گئی۔ بیعنامہ پر دستخط کرائے۔ شکریہ ادا کیا اور واپس آ گئے۔ اُن سے ملاقات نہایت مفید رہی۔

مشرقی پاکستان کے المیہ کے چشم دید گواہ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی سے کئی بار شرفِ ملاقات ہوا۔ ہم اُن سے بھی کئی موضوعات پر باتیں ہوئیں۔ ان سے جو معلومات حاصل کیں وہ اس کتاب کا سرمایۂ افتخار ہیں۔

ان شخصیتوں سے ملنے سے قبل یحییٰ خان کی قربت حاصل کرنے والی بیگم اقلیم اختر رضا عرف جنرل رانی سے تو کئی بار ملاقات ہوئی اور کئی کئی گھنٹے کی نشست ہوئی۔ ان سے پہلی ملاقات انٹر کانٹینٹل ہوٹل لاہور کے واقعہ کے بعد کی گئی۔ اس کے بعد کئی ملاقاتیں ہوئیں جو کتاب کے مواد کے لئے سود مند ثابت ہوئیں۔ اس خاتون سے بعد میں مَیں نے خصوصی فوٹوگراف بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وعدہ کرنے کے باوجود مجھے ٹال دیا گیا۔

اس موضوع پر لائبریری میں بیٹھ کر کتابیں پڑھیں۔ رسالے۔

اخبارات دیکھے۔ بازار سے کتابیں خرید کر پڑھیں شخصیات سے ملا۔ عام آدمی کے ذہن کی بات معلوم کی۔ اور ان سب کو ـــــ "تاشقند سے شملہ تک" کے قالب میں ڈھال دیا۔ اس کتاب پر تقریباً پانچ سال کی محنت صرف ہوئی۔ اس کتاب کا مقصد کسی کی تذلیل مطلوب نہیں بلکہ اس میں اصل حقائق سے بڑی احتیاط سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے قاری اسے پسند فرما کر اپنی آراء سے خاکسار کو آگاہ فرمائیں گے۔ آخر میں اُن احباب کا مشکور ہوں جنہوں نے اس کام میں مجھ سے مکمل تعاون کیا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

آپ کا خیر اندیش

کنور انتظار محمد خان ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

۱۷۔ لیک روڈ۔ پرانی انارکلی۔ لاہور

یہ جنوری ۱۹۶۶ء کی تاشقند کی ایک سرد رات تھی ۔ محفل گرم تھی ۔ اس محفل میں صدر ایوب خان اور لال بہادر شاستری نہیں تھے ۔ باقی دونوں وفود کے اراکین تھے ۔ روسی بھی موجود تھے ۔ سب پی رہے تھے ۔ دَور پر دَور چل رہے تھے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اچھی خاصی پی چکے تھے ۔ ان کے ہوش و حواس قابو سے باہر تھے وہ نشہ میں کچھ کہہ رہے تھے ۔ پھر انہوں نے نشہ کی حالت میں بھارتیوں کو گالیاں دینی شروع کر دیں ۔ مسٹر بھٹو کے منہ سے بھارتیوں کے لئے گالیاں بالکل غیر متوقع تھیں ۔ بھارتی مسٹر بھٹو کو ہمیشہ اپنا آدمی سمجھتے تھے ۔ آج بھٹو کی زبان سے روسیوں کے سامنے گالیاں بالکل ناقابلِ برداشت تھیں ۔

وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر مسٹر شاستری کو مسٹر بھٹو کے سلوک

سے مطلع کیا گیا۔ مسٹر شاشتری نے فوراً ایوب خان کو صورتِ حال سے آگاہ کیا تو صدر ایوب نے مسٹر بھٹو کی اس غیر ذمہ دارانہ اور عامیانہ حرکت کی خوب لعنت ملامت کی۔ مسٹر بھٹو کا نشہ ہرن ہو گیا۔ ایوب خان جا چکے تھے محفل پر سناٹا تھا۔ مسٹر بھٹو اپنے رویہ پر سخت شرمندہ اور مستقبل کے بارے میں سخت پریشان تھے۔

اس وقت ہندو کا ذہن جاگ رہا تھا جس نے کبھی پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم نہ کیا تھا۔ اور جو ہر وقت اس کوشش میں تھا کہ کسی نہ کسی طریقے سے پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔ یہ اپنے پروگرام کے لئے زمین تیار کرنے کا بہترین موقعہ تھا۔ چنانچہ ایک با اختیار بھارتی نے مسٹر بھٹو کے قریب کرسی کرتے ہوئے مسٹر بھٹو سے اُس کے مستقبل کے بارے میں مژدہ سنایا۔ اور انہیں اقتدار میں لانے کے لئے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ بھٹو صاحب کی پریشانی دور ہو گئی اور اُن کے چہرے پر روشن مستقبل کے تصور سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

اعلان تاشقند کے بعد دونوں وفد اپنے اپنے ملک چلے گئے۔ مسٹر بھٹو کو بھارتیوں کے وعدے تو یاد تھے۔ لیکن انہیں بھارتیوں پر اعتماد نہ تھا۔ یہ بڑی کٹھن منزل تھی۔ ایوب خان مسٹر بھٹو سے سخت متنفر ہو گئے تھے۔ تاشقند سے پہلے مسٹر بھٹو نے جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے بارے میں بھی صدر ایوب کے سامنے کچھ غلط بیانی کی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ چینی وزیر خارجہ مارشل چن ژی جنگ سے قبل کراچی کے ہوائی اڈہ

پر مسٹر بھٹو سے ملے۔ مارشل چین ژی نے صاف لفظوں میں مسٹر بھٹو کو کو بتا دیا تھا کہ بھارت پاک سرحد پر باقاعدہ حملہ کرنے والا ہے پاکستان کو اس کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ لیکن مسٹر بھٹو نے نہ جانے کون سی مصلحت کے تحت صدر ایوب کو اُلٹ بتایا بلکہ یہ یقین دلایا کہ بھارت پاکستان پر حملہ کی جسارت نہیں کرے گا۔ مسٹر بھٹو کی اس یقین دہانی کے طفیل چھ ستمبر کی رات کو بھارت تاریکی میں پاک سرحد پر چڑھ دوڑا تھا۔ کیونکہ پاکستانی افواج کا دباؤ کشمیر کی طرف تھا اور پاک سرحد پر دفاع کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اگر مسٹر بھٹو ایوب خان کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرتے تو ۱۹۶۵ء کی جنگ کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

مسٹر بھٹو نے جنگ کے بارے میں بیرونی امداد اور پالیسی کے بارے میں بھی غلط مشورے دیئے۔ اِن غلط اطلاعات اور مشوروں کے طفیل ایوب خان نے بہترین پوزیشن میں ہوتے ہوئے جنگ بندی قبول کر لی تھی۔ صدر ایوب نے ایک موقعہ پر نہایت افسوس کے ساتھ جنگ ستمبر کے بارے میں کہا تھا کہ

HE WAS GREATLY

MISLEAD BY MR. Z.A. BHUTTO

AND AZIZ AHMAD

مسٹر بھٹو کو ایوب خان کے ارادہ کا علم ہو گیا تھا کہ وہ اب وزارت میں رکھنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے ایوب خان کو خوش

کرنے اور اعتماد بحال کرنے کی خاطر اسمبلی کے اندر اور باہر معاہدہ تاشقند کو ایوب خان کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جبکہ پورے پاکستان میں اس معاہدہ کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے تھے۔ مسٹر بھٹو نے صرف وزارت میں رہنے کی خاطر ہر حربہ استعمال کیا۔ ایوب کے ہر قریبی اور دوست کی منت سماجت کی۔ ایوب خان سے اپنے سابقہ رویہ اور کوتاہیوں کی معافی مانگی۔ لیکن ایوب خان ارادہ کے پکے تھے۔ مسٹر بھٹو کا کردار اور غلطیاں ناقابلِ معافی تھیں۔ اعلان تاشقند کے بعد چونکہ حالات اچھے نہ تھے۔ پورے ملک میں اس کے خلاف مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس لئے بھٹو کو وقتی طور پر وزارت میں رہنے دیا گیا۔ جونہی حالات کچھ بہتر ہوئے مسٹر بھٹو کو جواب مل گیا۔ ایوب خان کی یہ بہت بڑی سیاسی غلطی تھی کہ انہوں نے عوام سے جنگ کے بارے میں غلط بیانی اور تاشقند میں مسٹر بھٹو کے رویہ کو پوشیدہ رکھا۔ اگر اس وقت مسٹر بھٹو کے کردار کی صحیح تشہیر کی جاتی تو ملک کی سیاسی صورت حال آج سے مختلف ہوتی۔

جب مسٹر بھٹو کو وزارت سے نکالا گیا۔ سیاسی حالات ایوب خان کے خلاف تھے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ بندی اور پھر معاہدہ تاشقند کی وجہ سے عوام اور نوجوان افسروں میں ایوب خان کا وقار ختم ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ سابقہ الیکشن میں بی ڈی سسٹم کے ذریعہ کامیابی اور سیاسی گھٹن نے عوام کی اکثریت کے دل میں ایوب خان کے خلاف نفرت

پیدا کر دی تھی۔ ایوب خان عوام اور فوج میں اپنی مقبولیت کھو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ جب جنوری سنہ ۱۹۶۸ء میں ایوب خان سخت بیمار ہوئے اور ان کے زندہ رہنے کی کوئی امید نہ رہی تو جی ایچ کیو میں ایوب خان کی جانشینی کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں۔ اُس وقت حکومت کی تبدیلی کے سو فیصد امکانات تھے جنرل یحییٰ خان ہی اُن کا جانشین ہو سکتا تھا۔ لیکن کاتبِ تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا ایوب خان تندرست ہو گئے اور انہوں نے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔

ایوب خان کے دماغ پر سنہ ۱۹۷۰ء میں الیکشن لڑنے کا بھوت سوار تھا۔ چنانچہ اسی الیکشن کی خاطر الطاف گوہر کے مشورہ سے دس سالہ ترقی کے جشن کا پروگرام بنایا گیا۔ لیکن اس کا عوام پر اُلٹا اثر ہوا۔ عوام کے اعصاب ایوب خان اور اس کی پالیسی سے اکتا چکے تھے۔ قوم ہر حالت میں تبدیلی چاہتی تھی۔ لیکن جس طریقے سے پچھلے انتخاب میں ایوب خان نے بی ڈی سسٹم کے ذریعے اقتدار پر دوبارہ قبضہ کر لیا تھا وہی صورت قوم کو پھر نظر آ رہی تھی۔ پورے ملک میں بڑی بے چینی کے آثار پائے جاتے تھے۔

قوم کے سامنے سوال تھا۔ ایوب خان کو کس طرح ہٹایا جائے اور اُس کا جانشین کون ہو گا؟

ملک میں بے شمار سیاسی جماعتیں تھیں۔ جن میں مسلم لیگ۔ عوامی لیگ۔ جماعت اسلامی۔ جمعیت علمائے پاکستان۔ جمعیت علمائے

اسلام۔ نیشنل عوامی پارٹی (دونوں گروپ) اور دیگر چھوٹی جماعتیں سرگرمِ عمل تھیں۔ ان میں سے سب سے پرانی اور بڑی مسلم لیگ تھی۔ مسلم لیگ ہی کو پاکستان بنانے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ پاکستان میں تقریباً اب تک مسلم لیگ ہی برسرِ اقتدار رہی تھی۔ اِسے آزمایا جا چکا تھا۔ اس کا وقار اب کم ہو چکا تھا۔ مسلم لیگ نے قوم کو مایوس کیا تھا۔ اس پر زیادہ تر بڑے زمیندار۔ جاگیردار اور صنعتکار چھائے ہوئے تھے۔ عوام میں اس کی کوئی جڑ نہ تھی ویسے بھی قیادت کی ہوس نے اسے دو تین گروپوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک مسلم لیگ کی بجائے کئی مسلم لیگیں تھیں کونسل مسلم لیگ۔ کنونشن مسلم لیگ وغیرہ۔ اور ہر مسلم لیگ اپنے کو قائداعظم کی مسلم لیگ کی جانشین سمجھتی تھی۔ ان مسلم لیگ کا اثر البتہ ملک کے دونوں حصوں پر تھا۔

جماعت اسلامی بھی دونوں حصوں میں بڑی منظم اور فعال تھی۔ لیکن یہ اپنے خصوصی نظریات اور اپنے قائد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات کی اندھی تقلید کی وجہ سے صرف ایک مخصوص طبقے کو متاثر کر سکی - اور انتخاب کے لئے ووٹروں کی اکثریت متاثر ہونی چاہیئے۔ جو عام لوگ ہوتے ہیں۔ ان عام لوگوں پر جماعتِ اسلامی کا اثر نہ تھا۔

نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) بائیں بازو کی جماعت تھی۔ اس کا اثر صوبہ سرحد اور بلوچستان میں تھا۔ عوام میں اس جماعت کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس جماعت کو مخالفین پاکستان میں شمار کیا جاتا

تھا نیشنل عوامی پارٹی جس کے قائد مولانا عبدالحمید خان بھاشانی تھے مشرقی پاکستان میں کچھ اثر رکھتی تھی لیکن دوسری جماعتوں کے مقابلہ میں کوئی اثر نہ تھا۔ اس میں صرف بھاشانی ہی تھے۔ جمیعت علمائے اسلام کا دائرہ اثر بھی بلوچستان اور صوبہ سرحد تک محدود تھا جمعیت علمائے پاکستان گو حامی و بانی پاکستان لوگوں پر مشتمل تھی لیکن سیاست کے آسمان پر صحیح طریقے سے نمودار نہیں ہوئی تھی۔

عوامی لیگ کا دائرہ صرف مشرقی پاکستان تک محدود تھا۔ عوامی لیگ نے مسلم لیگ ہی سے جنم لیا تھا لیکن یہ مسلم لیگ کے مشن سے بہت دور چلی گئی تھی جس کا ذکر اگلے ابواب میں کیا جائے گا۔

اسے ہندوستان کی پشت پناہی حاصل تھی۔ مغربی پاکستان میں اس کی باقاعدہ شاخ تھی جو چند عہدہ داروں پر ہی مشتمل تھی اس حصّہ کے عوام کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کی مقبول جماعت تھی۔

مختصر یہ کہ اس وقت ایسی شخصیت کا فقدان تھا جو ایوب خان کی جانشین بن سکے۔ ملک کے دونوں حصوں سے نئی قیادت کی تمنا کی جا رہی تھی۔

گردشِ دوراں۔ حالات اور واقعات کسی ملک میں پرانی شخصیتوں کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ اور نئی شخصیتوں کو سامنے لاتے ہیں۔ نئے چہرے ابھرتے رہتے ہیں اور پرانے چہرے پسِ پردہ چلے جاتے ہیں۔ یہی اصول

قوموں کی تاریخ میں ہمیشہ رہا ہے۔

مشرقی پاکستان میں حالات مغربی پاکستان سے مختلف تھے۔ ایوب خان سے قبل پاکستان میں نظام حکومت پارلیمانی تھا۔ اس نظام میں کسی نہ کسی طریقے سے مشرقی پاکستان کو نمائندگی ملتی رہی۔ صدر اور وزیراعظم کے دو بڑے عہدے دونوں حصوں میں تقسیم ہوتے رہے۔ لیکن ایوب خان نے پارلیمانی کی بجائے صدارتی نظام اپنایا جس میں تمام اختیارات صدر کے پاس ہوتے ہیں۔ ایوب خان لگاتار دس سال تک صدر رہے اور اس طرح سب سے اہم عہدہ مغربی پاکستان کے پاس رہا۔ اس کے علاوہ ایوب خان نے اعلیٰ فوجی اور سول افسران کو کاروبار حکومت میں زیادہ اہمیت دی۔ تمام اہم فیصلے ان افسران کے مشورہ سے مغربی پاکستان میں اسلام آباد میں بیٹھ کر کئے جاتے تھے۔ ان افسران کی اکثریت کا تعلق بھی مغربی پاکستان سے تھا۔ سیاستدانوں کو ہر طرح سے امورِ سلطنت سے دور رکھا گیا۔ بلکہ ان پر ایوب خان کی خوشنودی کی خاطر بے پناہ ظلم ڈھائے گئے۔ مزید برآں قائدِ اعظم کے ارشاد کے خلاف ملک میں اردو کی بجائے اردو اور بنگالی دو زبانوں کو اپنایا گیا۔ زبان ثقافت کا جزو ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستانی اب بنگالی میں سوچنے لگے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں اتنی دوری پیدا ہوگئی کہ دونوں حصوں میں ایک ملک ایک قوم اور ایک سوچ کا تصور بتدریج کم ہوتا گیا۔

اِس کے علاوہ معاشی طور پر بھی مشرقی پاکستان کو نظر انداز کیا گیا۔ مسٹر ایم ایم احمد نے ہر منصوبہ میں مشرقی پاکستان کو اس کی حیثیت کے مطابق مقام نہ دیا۔ ایوب خان کے دور میں زیادہ تر صنعتیں مغربی پاکستان میں لگیں۔ اور اگر مشرقی پاکستان میں کوئی صنعت لگی بھی تو صنعت کار کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا۔ پٹ سن اور چائے سے حاصل ہونے والے زرِمبادلہ کا سب سے بڑا استعمال دفاع پر ہوتا۔ اور دفاعی پالیسی یہ تھی کہ پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان کے دفاع پر منحصر ہے۔ فوج کا زیادہ حصّہ مغربی پاکستان میں تھا۔ مشرقی پاکستان میں بہت کم چھاؤنیاں اور ہوائی اڈے تھے۔ دفاعی طور پر بھی مشرقی پاکستان کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے لوگوں میں احساسِ محرومی پیدا ہو گیا۔ اس احساسِ محرومی نے مشرقی پاکستان کے عوام کو مغربی پاکستان کے خلاف کر دیا۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کا استحصال کر رہا ہے اور اس کا حل زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری ہی ہے۔

مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں پاکستان کے ازلی دشمن بھارت نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ بھارت کبھی بھی پاکستان کو خوشحال اور پُرسکون نہیں دیکھ سکتا۔ بھارت کے ہر ہندو کے ذہن میں یہ سمایا ہوا ہے کہ وہ تقسیم ہند کو ختم کر کے ایک نہ ایک دِن پاکستان کو پھر بھارت کے ہر ہندو کے ذہن میں یہ سمایا ہوا ہے کہ

وہ تقسیم ہند کو ختم کر کے ایک نہ ایک دن پاکستان کو پھر بھارت میں ضم کر لیں گے ۔ اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بھارت کی نگاہیں پاکستان کے حالات پر ہر وقت لگی رہتی تھیں ۔ اب حالات بھارت کے لئے سُود مند تھے ۔ چنانچہ بھارت نے بنگالیوں کے حقوق کی پامالی کو خوب اپنے ریڈیو اور دوسرے ذرائع سے اچھالا بلکہ بھارت نے مشرقی پاکستان کے بنگالیوں کو مغربی پاکستان کے خلاف ابھارنے کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا ۔ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مختلف سیاسی تنظیموں سے رابطہ قائم کیا ۔ آخر اُسے شیخ مجیب کی شکل میں کام کا آدمی مل گیا ۔

شیخ مجیب کا بھارت سے رابطہ ۱۹۶۴ء ہی میں ہو گیا تھا ۔ دونوں فریقین میں معاہدہ بھی طے پا گیا تھا ۔ اسی شیخ مجیب نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد لاہور میں اپوزیشن کی کانفرنس میں چھ نکات پیش کر دیئے جن کے مطابق قرارداد لاہور کے مطابق فیڈریشن قائم ہو ۔ مرکز کے پاس دفاع اور خارجہ کے محکمے ہوں ۔ دونوں حصوں کے لئے مشترکہ کرنسی ہو یا علیحدہ علیحدہ کرنسی ہو جو آسانی سے ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتی ہوں ٹیکس صرف صوبے وصول کریں ۔ وغیرہ

چھ نکات پر عمل درآمد پاکستان کی یکجہتی کو ختم کرنے کے مترادف تھا ۔ اور مرکز کو بے بس بنانا تھا ۔ چنانچہ کانفرنس نے چھ نکات کو مسترد کر دیا ۔ شیخ مجیب واک آؤٹ کر گئے ۔ ان چھ

نکات کے خلاف پورے ملک میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی - مغربی پاکستان کے تمام اخبارات نے اداریے لکھے اور محب وطن لیڈروں نے چھ نکات پر سخت تنقید کی - چنانچہ مجیب کو گرفتار کر لیا گیا۔ معاملہ صرف مجیب کی گرفتاری ہی سے حل نہ ہوا۔ بھارتی ریڈیو سے لگاتار چھ نکات کے حق میں اور مغربی پاکستان کے ہاتھوں مشرقی پاکستان کے استحصال کا پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا۔ عوامی لیگ کے دوسرے رہنما چھ نکات کے حق میں رائے عامہ ہموار کرتے رہے - ان تمام عوامی لیگیوں کی پشت پناہی بھارت کرتا رہا۔

اور پھر چھ جنوری ۱۹۶۸ء کو پوری قوم نے یہ سنسنی خیز اور اندوہناک خبر سنی کہ چند ضمیر فروشوں نے مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیٰحدہ کرنے کی سازش بھارت کی مدد سے تیار کی ہے۔ پوری قوم سراپا احتجاج بن گئی - یہ اگرتلا میں تیار کی گئی تھی - ڈھاکہ میں بھارتی ہائی کمیشن کے فرسٹ سیکرٹری مسٹر پی این اوجھا کی مدد سے تیار کی گئی تھی اس سلسلے میں اٹھائیس آدمیوں کی گرفتاری کے بارے میں حکومت پاکستان کی طرف سے پریس نوٹ جاری کیا گیا۔ ان اٹھائیس اشخاص میں شیخ مجیب کا نام شامل نہ تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن چھ نکات کے سلسلے میں جیل میں تھے۔ لیکن کچھ روز کے بعد حکومت پاکستان کی طرف سے پھر اعلان کیا گیا کہ شیخ مجیب بھی اس سازش میں شامل ہے۔ لیکن اب کسی کو بھی یقین نہ آیا کیونکہ شیخ مجیب عرصہ سے جیل میں تھے اور ایک شخص

جیل میں ہوتے ہوئے سازش میں کیسے شریک ہو سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے بنگالیوں نے شیخ مجیب کو ملوث کرنے کو ایک بنگالیوں کے خلاف سازش قرار دیا۔ اس اعلان سے شیخ مجیب کی مقبولیت بنگالی عوام میں زیادہ ہوئی۔ شیخ مجیب بنگال کے قومی ہیرو کی حیثیت سے ابھرے۔ لیکن حقیقت میں شیخ مجیب ہی اس سازشی ٹولے کا سرغنہ تھا۔ مسٹر اوجھا شیخ مجیب کے ساتھیوں سے باقاعدہ ملاقات کرتا تھا۔ شیخ مجیب کے گھر میں بھی اوجھا کا آنا جانا تھا۔ حتیٰ کہ شیخ مجیب کی بیوی بھی اوجھا سے سیاست پر باتیں کرتی تھی۔ جیل میں شیخ مجیب سے باقاعدہ اُن کے ساتھیوں کا رابطہ تھا۔ شیخ مجیب سے ہر صورت حال کے بارے میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ جیل میں شیخ مجیب سے خفیہ ملاقات کرنے میں اُن کے ساتھیوں کو کوئی دقت نہ تھی۔ لیکن عوام کو اندرون خانہ کا کیا علم۔ بدقسمتی سے اگرتلہ سازش کی تشہیر کی گئی جس کا فائدہ عوامی لیگ اور مجیب کو پہنچا۔ عوامی لیگ اس طریقے سے واحد مشرقی پاکستان کی نجات دہندہ بن گئی تھی۔

مغربی پاکستان میں اہلِ پنجاب اور سندھ میں آباد مہاجرین ذہنی طور پر بھارت کے خلاف ہیں۔ انہوں نے ہندو کو قریب سے دیکھا ہے۔ ہندو کی ذہنیت سے خوب واقف ہیں۔ ان لوگوں نے ۱۹۴۷ء میں اور اس سے قبل مسلمانوں کے ساتھ ہندو کا سلوک بھی دیکھا تھا۔ بہت سے واقعات اس بارے میں اِن کے ذہن میں

محفوظ ہیں۔ ان اہلِ پنجاب اور مہاجرین کا وہ دوست ہے جو ہندو کا دشمن ہو۔ جو ہندو کو ذلیل کر سکے۔

مسٹر بھٹو نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے موقعہ پر اقوام متحدہ میں اپنی ایک تقریر میں بھارتیوں کو "کتا" کہا تھا۔ پورا مغربی پاکستان خوشی سے جھوم اٹھا۔ ہر جگہ نجی محفلوں میں لفظ کتے پر تبصرے ہوئے بھٹو اس تقریر کی بدولت پہلی بار عوام کے دل میں گھر کر گئے۔ پھر ایک اور مقام پر مسٹر بھٹو نے کہا تھا کہ پاکستان ایک ہزار سال تک بھارت سے جنگ کرے گا۔ بھٹو کے بھارت دشمنی کے جملے اُسے عوام میں مقبول بناتے جا رہے تھے۔ عوام میں مسٹر بھٹو کا ایج بن رہا تھا۔

وزارت سے نکالے جانے کے بعد مسٹر بھٹو کچھ عرصہ تو خاموش رہے پھر انہوں نے قوم کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اعلانِ تاشقند کے خلاف تقریریں اور پریس کانفرنسیں شروع کر دیں۔ کیونکہ تاشقند کے فوراً بعد مسٹر بھٹو عوام میں اس کا ردِ عمل دیکھ چکے تھے عوام اعلانِ تاشقند کے خلاف بھی اور پھر تاشقند کے خلاف ایک ایسا لیڈر بول رہا تھا جس کی باتیں پہلے ہی انہیں پسند تھیں۔

عوام اب مسٹر بھٹو کے وزارت سے نکالے جانے کی وجہ سمجھے۔ عوام کی نگاہ میں مسٹر بھٹو کو حق کہنے کی سزا دی گئی تھی۔ اپنی کامیابی دیکھ کر مسٹر بھٹو نے اب واضح طور پر کہنا شروع کر دیا تھا کہ تاشقند کا معاہدہ ایک خفیہ معاہدہ ہے اور وہ اس کا راز عوام میں فاش کریں گے۔ وقت

آنے پر تاشقند کا راز عوام کو بتایا جائے گا۔ راز کے بتانے کے لئے دو بار یخوں کا اعلان بھی کیا گیا۔ بھٹو نے جلسہ عام میں راز اگلنے کا اعلان کیا تھا چنانچہ جلسوں میں بے پناہ لوگ صرف راز سننے کے لئے اُمڈ آئے تھے لیکن کوئی راز ہوتا تو مسٹر بھٹو بے نقاب کرتے۔ چنانچہ مختلف بہانوں سے راز کی بات کو ٹال دیا گیا۔ مسٹر بھٹو کی راز کی وجہ سے مقبولیت کو دیکھ کر خواجہ شہاب الدین نے راز کی بات کہہ ہی دی۔ انہوں نے کہا کہ "حکومت کو اس بارے میں کوئی پردہ پوشی تھی تو وہ صرف مسٹر بھٹو کے رویہ کے بارے میں تھی۔ اس اعلان کے بعد مسٹر بھٹو کا کردار مشکوک ہو گیا تھا ...... اعلان تاشقند کے بعد پانچ ماہ تک مسٹر بھٹو کی سب سے بڑی کوشش یہی تھی کہ وہ کابینہ میں شامل رہیں اور انہیں وزارت سے نہ نکالا جائے ......" لیکن یہ راز تو خواجہ صاحب کو بہت عرصہ پہلے فاش کرنا چاہیئے تھا۔ اب عوام بہت آگے نکل چکے تھے۔ اور مسٹر بھٹو کے خلاف کوئی بات بھی سننا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

مغربی پاکستان میں اہل پنجاب اور مہاجرین کی بھارت دشمنی سے مسٹر بھٹو نے خوب فائدہ اُٹھایا۔ تاشقند میں بھارتی مدد کے دعارے یا معاہدہ کی توثیق کے لئے مسٹر بھٹو نے پاکستان میں بھارتی ہائی کمیشن سے خفیہ ملاقات کی اور پھر اس ملاقات کے بعد بھارتی ریڈیو سے مسٹر بھٹو کے خلاف پروپیگنڈہ شروع ہو گیا۔ حالانکہ مسٹر بھٹو وزارت میں نہیں تھے وہ ایک عام آدمی تھے لیکن بھارتی اور خصوصی مشرقی پنجاب کے ریڈیو

مسلسل مسٹر بھٹو کو ہدفِ تنقید بنا رہے تھے۔ پنجاب کے دیہات کے لوگ باقاعدگی سے جالندھر اور دوسرے ریڈیو سٹیشن سے پروگرام سنتے تھے۔ آخر بھٹو کے خلاف پروپیگنڈہ کا کیا مطلب تھا ؟

پروپیگنڈہ تو حکومت وقت کے خلاف ہونا چاہیئے تھا۔ حکومت کے معاملے۔ دوستی یا دشمنی حکومت ہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس پروپیگنڈہ کے ذریعہ دیہاتی عوام میں مسٹر بھٹو کا امیج ابھار اگیا۔ اس پروپیگنڈہ کے نتیجہ میں اہلِ پنجاب اور مہاجرین کے دماغ میں مسٹر بھٹو کی جو تصویر ابھری وہ یہ کہ

۱۔ مسٹر بھٹو واحد شخصیت ہے جو بھارت کو کھٹکتی ہے

۲۔ بھارت مسٹر بھٹو سے ڈرتا ہے۔

مسٹر بھٹو کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ جادو اپنا کام کر رہا ہے۔ بھارتی پروپیگنڈے کے مثبت نتیجے برآمد ہو رہے ہیں۔ اور وہ عوام میں مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے بھی جا بجا تقریروں میں بھارت کے خلاف باتیں کیں۔

"بھارتی حکمران میرے نام سے گھبراتے ہیں اور اس لئے بین الاقوامی سامراج سے مل کر اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان میں بھٹو برسر اقتدار نہ آ جائے۔"

بھارت سے وہی لوگ تعلقات چاہتے ہیں جو عوام کے مفاد میں نہیں ہیں۔ بھارت در پردہ سازش کر رہا ہے کہ کہیں میں برسرِ اقتدار نہ آ جاؤں کیونکہ

میں برسرِ اقتدار آ گیا تو بھارت کے لئے بے اندازہ مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔ منظفر گڑھ میں ۳۰ جولائی ۱۹۷۰ء کو تقریر میں کہا "ہم بھارت کے متعلق ایسی پالیسی اختیار کریں گے کہ اندرا گاندھی کی نیند حرام ہو جائے گی۔" ساہیوال کے جلسہ عام میں کہا "گزشتہ دنوں اندرا گاندھی نے پاکستان کے خلاف زہر اگلا تھا اگر میں حکومت میں ہوتا تو مسز اندرا گاندھی کو ایسا کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ ۷ اگست ۱۹۷۰ء کو اچھرہ لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا "اندرا گاندھی آج سرینگر میں بیٹھی پاکستان کو دھمکیاں دے رہی ہے۔ اگر میں برسرِ اقتدار ہوتا تو اندرا گاندھی کو مزہ چکھا دیتا۔"

جب بھٹو سے عوام بھارت کے خلاف سنتے اور پھر بھارتی ریڈیو سے بھٹو کے خلاف پروپیگنڈہ سنتے تو عوام کو بھٹو کی باتوں کا یقین ہو جاتا۔ بھارتی ریڈیو کے بارے میں خود مسٹر بھٹو نے گوجر خان میں کہا۔ "بھارتی حکومت اور ریڈیو دن رات میرے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ بھارت کو یہ خوف کھائے جا رہا ہے کہ میں اس کی قلعی کھول دوں۔"

کون سی قلعی تھی جو مسٹر بھٹو نے اقتدار میں آ کر کھولنی تھی۔ بھٹو کی بھارت کے خلاف باتیں اور بھارتی ریڈیو سے مسٹر بھٹو کے خلاف پروپیگنڈہ کی کوئی ماہر نفسیات ہی بہترین طور پر تشریح کر سکتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد مسٹر بھٹو کا پنجاب اور مہاجرین میں

امیج ابھارنا تھا۔ چنانچہ اس خاموشی کی وجہ سے مسٹر بھٹو مغربی پاکستان میں ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے ابھرے۔

بھٹو نے بھارت دشمنی کے علاوہ غریب کسانوں اور مزدوروں کی حالت سے بھی فائدہ اٹھایا۔ پنجاب اور سندھ کے مزارعین کی حالت قابلِ رحم تھی۔ مسٹر بھٹو نے مسوان لوگوں سے فائدہ اٹھانے کی خاطر سوشلزم کا نعرہ بلند کیا۔ کسانوں کو سولہ ایکڑ زمین دینے کا وعدہ کیا۔ احساسِ محرومی کے شکار لوگوں کو بھٹو کی شکل میں سہارا مل گیا۔ بھٹو اب مغربی پاکستان کے سب سے مقبول شخصیت بن گئے تھے لیکن اس منزل پر پہنچنے اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے مسٹر بھٹو نے بہت کچھ کیا جس کا ذکر اگلے باب میں دیا جا رہا ہے۔

مسٹر بھٹو نے وزارت سے نکلتے ہی ایک نئی منزل کی تلاش شروع کر دی تھی۔ مسٹر بھٹو کو اللہ تعالیٰ نے بہترین ذہن دیا ہوا تھا۔ اُسے آدمی کی پرکھ اور اس کے استعمال کے طریقہ سے بھی آشنائی تھی۔ بھارتی ہائی کمیشن سے رابطہ کے علاوہ مسٹر بھٹو نے دوسرے دوست ملکوں کے سفارت خانوں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ دوسرے ملکوں سے اُسے کچھ ملا یا نہ ملا یہ مسٹر بھٹو خود بہتر جانتے ہیں۔ فوج میں جنرل ایس جی ایم پیرزادہ تھے۔ جو کبھی صدر ایوب کے ملٹری سیکرٹری رہ چکے تھے۔ لیکن خدا بھلا کرے اُن سی ایس پی افسران کا جن کی وجہ سے جنرل ایس جی ایم پیرزادہ کو ایوانِ صدر سے نکال کر واپس فوج میں بھیج دیا گیا۔ ایوانِ صدر کو ایک بار جو دیکھ لے دوسری بار دیکھنے کی ضرور ہوس کرے گا۔ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ نے اقتدار کو قریب سے دیکھا

تھا۔ یہی قربت اور دیدار ہی اُس کو حاصل کرنے کی خواہش کو جنم دیتی ہے۔ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ بھی مسٹر بھٹو کی طرح بلا کا ذہین تھا۔ اور قوتِ فیصلہ کا مالک تھا۔ اپنی شخصیت اور ذہن کی وجہ سے اپنے دوستوں پر چھایا رہتا تھا۔ کوئی ساتھی جنرل پیرزادہ کی بات کو ٹالنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ ملٹری سیکرٹری ہی کے وقت سے پیرزادہ کے مسٹر بھٹو سے تعلقات تھے۔ پیرزادہ اور مسٹر بھٹو بے تکلف تھے۔ مسٹر بھٹو کو وہ 'زلفی' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ملٹری سیکرٹری کے عہدہ سے ہٹانے کا انہیں بڑا دُکھ تھا اور جب مسٹر بھٹو کو وزارت سے نکال دیا تو دونوں کے دُکھ ایک ہوگئے۔ اس مشترکہ دُکھ نے دونوں کو اور قریب کردیا تھا۔ اب مسٹر بھٹو جنرل پیرزادہ سے اکثر ملتے۔ باتیں ہوتیں اور پھر خفیہ بات بھی ہوئی۔ دونوں کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا۔ پیرزادہ کا دوست جنرل یحییٰ تھا۔

چنانچہ راولپنڈی میں نومبر ۱۹۶۸ء کو معمولی واقعہ پر ہنگامہ ہوگیا اور پھر ایوب کے خلاف ہنگاموں اور مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یہ ہنگامہ اور مظاہرے بھٹو پیرزادہ خفیہ معاہدہ کے تحت ہوئے۔

پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی بھاشانی گروپ کے علاوہ تمام اپوزیشن جماعتوں نے جمہوری مجلسِ عمل تشکیل دی

اور ایوب خاں کے خلاف مظاہروں میں شامل ہو گئیں ۔ ابتدا میں تو ایوب خاں نے ان مظاہروں کو کوئی اہمیت نہ دی ۔ لیکن جب یہ شدت اختیار کر گئے تو ایوب خاں سوچنے پر مجبور ہو گئے انہوں نے مسلح افواج کے اس وقت کے سربراہ جنرل یحییٰ خاں ۔ ایئر مارشل نور خاں اور وائس ایڈمرل احسن کو طلب کر کے اُن سے حالات پر تبادلہ خیال کیا ۔ تینوں سربراہوں نے ایوب خاں کو سیاسی تصفیہ کا مشورہ دیا ۔ چنانچہ ایوب خاں نے سیاسی جماعتوں کو مذاکرات کی دعوت دی ۔ مسٹر بھٹو اس وقت گرفتار تھے ۔ جمہوری مجلس عمل کے کنوینر نوابزادہ نصراللہ خاں نے گول میز کانفرنس میں شمولیت کے لئے کچھ شرائط پیش کیں ۔ جن میں ہنگامی حالات ختم کرنے ۔ تمام سیاسی قیدیوں کی رہائی اور جلسے جلوسوں پر پابندی اٹھانے کی شرائط شامل تھیں ۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کو رہا کر دیا گیا ۔ لیکن مسٹر بھٹو کی منزل ہی اور تھی ۔ انہوں نے گول میز کانفرنس کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا اور صدر ایوب کے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا ۔ کیونکہ مسٹر بھٹو کو اپنے خاص ذریعے سے علم تھا کہ ایوب کے دِن نزدیک ہیں ۔ دوسرے وہ اپنے پشت پناہی کرنے والے جنرلوں کو ناراض نہیں کر سکتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے گول میز کانفرنس میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا تھا ۔ اس کے علاوہ شیخ مجیب ابھی جیل میں تھے ۔ مسٹر بھٹو سمیت دوسرے سیاسی رہنما شیخ مجیب

کی رہائی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ چنانچہ مشرقی پاکستان کے جی او سی جنرل مظفر الدین اور وزیر دفاع وائس ایڈمرل (ریٹائرڈ) اے آر خان شیخ مجیب سے ملے اور شیخ مجیب سے یہ وعدہ لیا کہ وہ متحدہ پاکستان کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے۔ چنانچہ شیخ مجیب کو پیرول پر رہا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ مجیب کو بھی حالات کا صحیح علم نہ تھا وہ پیرول پر رہائی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اب حالات نے ایک اور کروٹ لی۔ شیخ مجیب کی بیوی نے شیخ مجیب سے ملاقات کی۔ اور صحیح حالات سے اُسے آگاہ کیا۔ چنانچہ شیخ مجیب نے پیرول پر رہا ہونے سے صاف انکار کر دیا۔ اِدھر تمام سیاسی رہنماؤں نے گول میز کانفرنس میں شمولیت کے لئے شیخ مجیب کی غیر مشروط رہائی کی شرط رکھ دی۔ اب صدر ایوب کے سامنے کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ ۲۲ر فروری ۱۹۶۹ء کو شیخ مجیب کو آخر رہا کرنا پڑا۔

۲۶ر فروری ۱۹۶۹ء کو گول میز کانفرنس شروع ہوئی۔ جس میں اپوزیشن کے ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں اور مجیب سمیت سولہ رہنما شریک ہوئے۔ مسٹر بھٹو شامل نہ ہوئے۔ گول میز کانفرنس کی کئی نشستیں ہوئیں جس میں ہر لیڈر نے اپنے اپنے مطالبات پیش کئے۔ مسٹر بھٹو اور اس کے حامی جنرل گول میز کانفرنس کی ناکامی کے متمنی تھے۔ کیونکہ سیاسی سمجھوتہ سے اِن کے اقتدار حاصل کرنے کا خواب ادھورا رہ جاتا۔

صدر ایوب نے ہارون برادران کے ذریعہ شیخ مجیب سے خفیہ رابطہ بھی قائم کیا۔ شیخ مجیب ہارون فیملی کا پروردہ تھا جو اُسے اسیری کے دوران بھی تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ اور دیگر مراعات اس کے علاوہ تھیں۔ ہارون برادران کا تعلق امریکہ سے تھا۔ چنانچہ ایوب خاں اور شیخ مجیب کے درمیان خفیہ مذاکرات ہوئے جس میں مجیب کو وزیر اعظم پارلیمانی نظام کے تحت ہونا تھا۔ شیخ مجیب ہی کی خاطر یوسف ہارون کو مغربی پاکستان کا گورنر اور ڈاکٹر این ایم ہدیٰ کو مشرقی پاکستان کا گورنر لگا دیا گیا۔ یوسف ہارون کے دوسرے بھائی محمود ہارون کو برطانیہ میں پاکستان ہائی کمشنر لگا دیا گیا۔ لیکن مسٹر بھٹو اور اس کے حامی جنرل کسی تصفیہ سے خوش نہ تھے۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کو جنرل ایس جی ایم پیرزادہ نے اس سیاسی سمجھوتہ سے مطلع کر دیا۔ بھٹو نے فوراً خفیہ مذاکرات کی مذمت میں اخباری بیان دے ڈالا۔ اُدھر بھوشانی نے بھی خطرناک نتائج کی دھمکی دے دی۔ چنانچہ گول میز کانفرنس اور خفیہ مذاکرات دونوں ناکام ہو گئے۔ آخر میں صدر ایوب نے مصالحت کے لئے اپنا فارمولا قوم کے سامنے ایک تقریر میں پیش کیا کہ تمام لیڈر اس بات پر متفق ہیں کہ عوامی نمائندوں کا انتخاب بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہونا چاہیئے نیز ملک میں پارلیمانی نظام حکومت قائم ہونا چاہیئے "۔ صدر ایوب نے یہ دونوں مطالبات

منظور کر لئے۔ باقی غیر طے شدہ امور عوامی نمائندوں کے لئے چھوڑ دیئے جس میں ون یونٹ اور پیریٹی کا مسئلہ بھی تھا۔ صدر ایوب متحدہ پاکستان کو متحدہ پاکستان ہی دیکھنا چاہتے تھے۔ ہر سیاسی رہنما نے صدر ایوب کے اس سیاسی خار موے کا خیر مقدم کیا۔ لیکن مسٹر بھٹو اور شیخ مجیب نے اپنے مذموم سیاسی عزائم کے پیش نظر اس کی مخالفت کی۔

گول میز کانفرنس کے دوران ملک کے دونوں حصوں میں ہنگامے جاری رہے۔ مشرقی پاکستان میں اس مقصد کے لئے بھارت نے تیس ہزار مسلح شر پسند داخل کر دیئے تھے جو لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت میں لگے رہے۔ مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو حالات کو گرم کئے ہوئے تھے۔

اب حالات قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ یہ حالات جنرل ایس جی ایم پیرزادہ اور اس کے ساتھیوں کے لئے سازگار تھے۔ ان کی منزل قریب آ گئی تھی یہی جنرل ایس جی ایم پیرزادہ اور مسٹر بھٹو چاہتے تھے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جنرل یحییٰ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔

آخر وہ گھڑی بھی آ ئی۔ صدر ایوب کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ ہونٹ خشک تھے۔ پوری کابینہ موجود تھی۔ جنرل یحییٰ بھی ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ تمام خاموش تھے۔ صدر ایوب نے بڑے

افسردہ لہجہ میں کہا " کہ حالات کا حل صرف مارشل لاء ہے۔

پوری کابینہ برخاست ہوگئی۔ صدر ایوب اور یحییٰ خاں صرف کمرہ میں رہ گئے۔ ایوب خاں نے یحییٰ کو حکومت کی مدد کے لئے مارشل لاء نافذ کرنے کو کہا۔ لیکن یحییٰ خان آج اپنا کیس تیار کر کے آئے تھے۔ یہ نکات تو کوئی سیاسی وکیل ہی اُسے سمجھا سکتا تھا۔ یحییٰ خاں نے مارشل لاء کے نفاذ کے لئے شرائط پیش کیں۔ گورنر اور کابینہ سبکدوش کی جائے، قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی جائیں۔ ایوب نے دونوں شرائط منظور کر لیں۔ یحییٰ خاں نے تیسری شرط یہ پیش کی کہ " آئین منسوخ کیا جائے کیونکہ یہ عوام کو بالکل ناقابلِ تسلیم ہے۔ میں اپنی افواج کو عوام کی خواہش کے خلاف ناقابلِ تسلیم آئین پر عمل درآمد کرانے کے لئے استعمال نہیں کر سکتا۔"

ایوب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ گلا خشک ہو گیا تھا۔ ایوب نے بمشکل جواب دیا " نہیں۔ یہ بالکل ناممکن ہے۔ آئین پاکستان کی کتاب اور سرزمین میں بند ہے۔" ایوب خاں کے فقرے ہوا میں تحلیل ہو گئے تھے۔ کمرہ میں خاموشی تھی۔ دونوں سوچ رہے تھے۔

قدرے وقفہ کے بعد ایوب خاں نے یحییٰ کا نکتہ سمجھ لیا تھا۔ ایوب خاں کو اس بات کا پورا تجربہ تھا وہ سکندر مرزا کے واقعات کو دہرانا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے آج

وہی حالات ایوب کے سامنے پیش تھے۔ آئین کی غیر موجودگی میں مارشل لاء ہی ملک کا اعلیٰ قانون ہوتا ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ملک کی حتمی شخصیت ہوتی ہے۔ ایوب خاں کے لبوں پہ ایک پھیکی سی زہریلی مسکراہٹ پھیلی یہ ایوب کے اقتدار کے آخری لمحات تھے۔ ایوب نے بمشکل لب ہلائے۔ میں جانتا ہوں آپ کیا چاہتے ہیں۔ بہت اچھا ہمیں باہمی طور پر آخری انتظام کے لئے کام کرنا چاہیئے۔ یحییٰ خاں کے کہنے پر مارشل لاء کے نفاذ کے لئے ایوب نے خط تحریر کیا۔ اصل میں یحییٰ خاں اور اس کے ساتھی آنے والے واقعات سے اپنا دامن بچانا چاہتے تھے۔ وہ تحریری طور پر مارشل لاء کا ایوب کی طرف سے نفاذ کا ثبوت رکھنا چاہتے تھے۔ یہ قانون کے پیشہ سے متعلق حضرات جانتے ہیں کہ تحریری ثبوت کی کتنی اہمیت ہے۔ یہ مشورہ بھی کسی وکیل نے ہی دیا ہوگا۔ چنانچہ مارشل لاء کے نفاذ کے لئے صدر ایوب سے خط تحریر کرایا گیا جس میں صدر ایوب نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے مظاہروں اور ہنگاموں کے پس منظر کا ذکر کیا۔ خط میں تھا "...... وقت بتائے گا کہ یہ ہنگامہ آرائی دیدہ و دانستہ منظم طریقے پر کرائی گئی تھی ...... "

خاص مقصد کے لئے ایوب خاں کو قوم سے آخری خطاب کا موقعہ دیا گیا۔ تاکہ پوری قوم کو یقین ہو جائے کہ مارشل لاء کسی کے ایماء پر نہیں بلکہ صدر ایوب نے خود لگایا تھا۔ حالانکہ اس مارشل لاء کے نفاذ کے لئے خصوصی حالات پیدا کئے گئے تھے۔

ایوانِ صدر میں تبدیلی آگئی تھی۔ ایوانِ صدر کے قریب کمانڈر انچیف ہاؤس سے یحییٰ خاں ایوانِ صدر میں منتقل ہو گئے تھے۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے جو کچھ روز بعد صدر بھی ہو گئے۔ اس کے علاوہ ان کے پاس دفاع اور خارجہ جیسے اہم محکمے تھے۔ یحییٰ خان کے بعد سب سے زیادہ با اختیار مسٹر بھٹو کے معتمد ساتھی جنرل ایس جی ایم پیرزادہ تھے اُن کے پاس ظاہری طور پر تو پرنسپل سٹاف آفیسر کا عہدہ تھا لیکن اختیارات وزیر اعظم کے حاصل تھے۔ یحییٰ خاں اس کی مرضی کے بغیر ایک قدم بھی نہ اُٹھا سکتے تھے۔ حکمران فوجی ٹولہ پر جنرل پیرزادہ چھائے ہوئے تھے جو درحقیقت مسٹر بھٹو کے مشورہ سے ہی سارا کام کرتے تھے۔ ان کے ماتحت دو بریگیڈیر تھے۔ رحیم اور کریم، تمام فائلیں ان دو بریگیڈیروں کی

وساطت سے جنرل پیرزادہ اور پھر یحییٰ تک پہنچتی تھیں۔

چیف آف سٹاف جنرل حمید وزیر داخلہ تھے۔ فضائیہ کے سربراہ ایر مارشل نور خاں کو تعلیم۔ محنت۔ صحت اور سماجی بہبود کے محکمے دئے گئے۔ بحریہ کے سربراہ وائس ایڈمرل احسن کو خزانہ، منصوبہ بندی، صنعت اور تجارت کی وزارتوں کے قلمدان سونپے گئے۔ ابتداء میں یہ یحییٰ صاحب کی مختصر سی کابینہ تھی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ایر مارشل نور خاں اور دیگر جنرلوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کیونکہ نور خاں ذہین تھے اور نہایت تیزی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ نور خاں کی یہ عادت ان جنرلوں اور اور خصوصاً پیرزادہ کو ناپسند تھی چنانچہ نور خاں کو مغربی پاکستان اور احسن کو مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا گیا۔ سول کابینہ بھی تشکیل دی گئی۔ لیکن کابینہ کو خارجہ۔ دفاع اور اہم سیاسی معاملوں پر تبادلہ خیال کرنے یا فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ اہم امور پر فیصلے یحییٰ خاں اور دوسرے جنرلوں سے مل کر کرتے تھے۔

یحییٰ خاں نے اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی پہلی نشری تقریر میں کہا تھا کہ ان کی خواہش اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آئینی حکومت کے قیام کے لئے موافق حالات پیدا کئے جائیں۔ یحییٰ خاں نے اپریل ۱۹۶۹ء سے جولائی ۱۹۶۹ء تک سیاسی فضا کو سازگار بنانے اور کسی آئینی فارمولے پر پہنچنے کے لئے مختلف سیاسی

رہنماؤں سے ملاقات کی۔ مولانا بھاشانی سے یحییٰ خاں ملے تو انہوں نے آئینی تجاویز کی بجائے کسان مزدور اور طلباء کے مطالبات کی طویل فہرست یحییٰ کو پیش کر دی۔ پروفیسر مظفر احمد نے یحییٰ خاں سے ملنے سے ہی صاف انکار کر دیا۔ دوسری سیاسی جماعتوں کے سربراہوں نے اسلام پر زور دیا۔ یحییٰ خاں مسٹر بھٹو سے ملے لیکن مسٹر بھٹو آئینی تجاویز دینے کی بجائے عام باتیں کرتے رہے اور وسکی پیتے رہے۔ مسٹر بھٹو نے یحییٰ خاں کو تجاویز دینا یا سیاسی بحران کے حل کے لئے بات کرنا مناسب ہی نہ سمجھا۔ حکمران ٹولہ میں بھٹو کا نمائندہ ٹوپے پیرزادہ بااثر تھا۔ ایسی صورت میں یحییٰ خاں کے سامنے کوئی تجویز رکھنا بھٹو کے سامنے فضول تھا۔

۲۸ر جولائی ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خاں نے مختلف آئینی مسائل کے بارے میں سیاسی رہنماؤں کے تضاد کے متعلق لائحہ عمل قوم کے سامنے پیش کیا اور پھر نیک نیتی سے آئینی بحران کے حل کی تلاش میں اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ یحییٰ خان شیخ مجیب سے ملے۔ شیخ مجیب نے یحییٰ خان کو یقین دلا دیا کہ "چھ نکات میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔" یحییٰ خاں نے ایک بار پھر سیاسی لیڈروں سے مل کر آئینی مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی۔ ہر ایک کے نظریات کی تہ تک پہنچے اور آخر ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو قوم کے سامنے آئینی مسائل اور ان کے حل کی تجاویز پیش کر دیں۔ اس تقریر سے ایک بات

صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ یحییٰ خاں نے ون یونٹ توڑنے اور ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کے تحت نمائندگی دینے کا غلط فیصلہ کر لیا ہے۔ اس تقریر کا ردعمل مجیب پر بہت اچھا ہوا لیکن دوسرے محب وطن سیاسی رہنماؤں نے اس تقریر کو ایک طوفان کا پیش خیمہ قرار دیا۔

محب وطن عناصر نے تو ون یونٹ توڑنے اور ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول کے تحت دفاع جیسے محکموں میں نمائندگی دینے کے خطرناک نتائج کو سامنے رکھ کر اعتراض کیا تھا لیکن بھٹو اور اس کے حامی جنرلوں کو اس تقریر میں تجاویز کسی اور وجہ سے ناپسند تھیں۔ اس اصول کے تحت مشرقی پاکستان کی آبادی کی وجہ سے زیادہ نشستیں تھیں اور مغربی پاکستان میں کم۔ اگر مسٹر بھٹو مغربی پاکستان سے تمام نشستوں سے بھی کامیاب ہو جاتے تو بھی اقتدار مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کے پاس رہتا صاف ظاہر تھا۔ اس طرح بھٹو اقتدار میں نہیں آ سکتے تھے جبکہ وہ اقتدار حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اسی وجہ سے بھٹو کے حامی جنرل پیرزادہ۔ عمر اور گل حسن نے یحییٰ خاں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ یحییٰ خاں ایک مشکل سے دوچار ہو گیا تھا۔

یحییٰ خاں نے بڑی محنت کے بعد ۳۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو آئین کی بنیاد اور الیکشن کے رہنما اصولوں کے لئے لیگل فریم ورک

آرڈر کا اعلان کر دیا۔ اس آرڈر کی تیاری سے پہلے جنرل پیرزادہ نے مسٹر بھٹو سے خصوصی مشورہ لیا تھا۔ اس آرڈر میں واضح کوئی بات نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ آئین کی بنیاد اسلامی نظریات پر ہو گی۔ سب سے پیچیدہ مسئلہ مرکز اور صوبوں کے درمیان تعلق اور اختیارات کے استعمال کا تھا جس کا کوئی ذکر اس آرڈر میں نہ تھا۔ مجیب نے اس آرڈر کے بارے میں اپنے ساتھی سے کہا تھا۔" ان کی منزل بنگلہ دیش ہے الیکشن کے بعد میں اس لیگل فریم ورک آرڈر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔"

یکم جنوری ۱۹۷۰ء سے پابندی اُٹھتے ہی سیاسی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ تمام سیاسی رہنما میدان میں آ گئے اور انہوں نے اپنے نظریات عوام تک پہنچانے کی کوششیں تیز تر کر دیں۔ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب نے زمین ہموار کر لی تھی۔ انہوں نے مشرقی پاکستان سے ہر صورت میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔ مجیب کی کامیابی یقینی نظر آ رہی تھی۔ وہ کسی دیگر شخصیت یا جماعت کو برداشت نہ کر سکتے تھے جو ان کی کامیابی یا اقتدار میں ان کے ساتھ حصہ دار بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ مجیب کھل کر مغربی پاکستان کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔ لیکن حکمران ٹولہ مناسب قانون ہونے کے باوجود نہ جانے کونسی مصلحت کے تحت سب کچھ برداشت

کررہا تھا۔ اب عوامی لیگ کے غنڈے متحدہ پاکستان کے حامیوں اور دوسری جماعتوں کے رہنماؤں کے خلاف کھلے عام غنڈہ گردی کررہے تھے لیکن احسن انتظامیہ تماشائی بنی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ بلکہ احسن (ایڈمرل) کے مجیب کے ساتھ دوستانہ مراسم ہو گئے تھے۔

۱۸ر جنوری ۱۹۷۰ء کو جماعت اسلامی نے پلٹن میدان ڈھاکہ میں جلسہ عام کا اہتمام کیا۔

ابھی جلسہ کی کاروائی کی ابتداء بھی نہ ہوئی تھی کہ عوامی لیگ کے غنڈوں نے دستی بموں اور آتشیں ہتھیاروں سے جلسہ میں حملہ کردیا۔ بہت سے افراد زخمی ہونے کے علاوہ ایک شخص ہلاک ہو گیا۔ یحییٰ خاں نے اپنی تقریر میں تنبیہہ کی تھی کہ بدامنی پھیلانے کی اجازت نہ دی جائے گی لیکن مشرقی پاکستان میں ہر چیز کی کھلی اجازت تھی۔ اس کے بعد یکم فروری ۱۹۷۰ء کو اسی پلٹن میدان میں پاکستان جمہوری پارٹی کے جلسہ عام پر بھی عوامی لیگ کے غنڈوں نے حملہ کردیا۔ جلسہ پر دھاوا بولنے والے غنڈے "ہم نورالامین اور فرید احمد کا سر چاہتے ہیں" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ انہوں نے سٹیج پر موجود رہنماؤں پر جوتے اور پتھر پھینکے جس سے مولوی فرید احمد اور دوسرے لیڈر زخمی ہو گئے۔ ادھر اسی طرح کے شرپسندوں نے راولپنڈی اور لاہور میں چوہدری فضل القادر کے جلسوں کو اپنی طرف سے درہم برہم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی

یہی وہ عناصر تھے جو مشرقی اور مغربی پاکستان کو ذہنی طور پر ایک دوسرے سے الگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بھارت نے مشرقی پاکستان میں بدامنی اور خوف وہراس پیدا کرنے کے لئے مسلح غنڈے بھیجے ہوئے تھے۔ بدامنی اور خوف و ہراس پیدا کرنے کا مقصد صرف یہی تھا کہ عوامی لیگ کے مقابلہ میں کوئی دوسری جماعت اپنی انتخابی مہم نہ چلا سکے اور اس طرح عوامی لیگ اکیلی پراپیگنڈے۔ دباؤ اور دھونس سے مشرقی پاکستان سے انتخاب میں سو فیصد نشستیں حاصل کر سکے۔

مسلح غنڈوں اور مالی امداد کے علاوہ کلکتہ ریڈیو سے عوامی لیگ کے حق میں پروپیگنڈہ بھی کیا جاتا تھا جو بنگالیوں کو نتائج سے بے خبر مغربی پاکستان کے خلاف جذبات کو ابھارنے میں سخت مدد دے رہا تھا۔

چھ نکات اگرتلہ سازش کیس۔ غیر مشروط رہائی اور ایوب خاں کی شیخ مجیب کے بارے میں غلط پالیسی اختیار کرنے سے شیخ مجیب بنگال کے ہیرو بن کر ابھرے تھے۔ اُن میں خداداد قابلیت بھی تھی۔ وہ شعلہ بیان مقرر تھے۔ ان کا ہاتھ بنگالیوں کی دُکھتی رگ پر تھا۔ انہوں نے اپنی شعلہ بیانیوں سے مشرقی پاکستان کی محرومی اور کمزوریوں کی ذمہ داری مغربی پاکستان پر ڈال دی تھی۔ اخبارات شیخ مجیب کی تقریروں کو شہ سرخیوں سے اچھال رہے تھے۔

شیخ مجیب نے اپنی تقریروں میں نہ صرف حکمران ٹولے کے خلاف بلکہ ان لیڈروں کے خلاف بھی بنگالیوں کے جذبات ابھارے جو آج تک کسی حکومت میں شامل نہ ہوئے تھے۔ ہمیشہ اپوزیشن میں رہے۔ ۱۱ مارچ ۱۹۷۰ء کو ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"نوابزادہ نصراللہ۔ مولانا مودودی اور خان قیوم بتائیں کہ وہ مشرقی پاکستان کی وہ دولت کتنے عرصہ میں واپس کردیں گے جو انہوں نے اپنے آقاؤں کے ذریعے لوٹی ہیں۔"

ان حالات میں کسی دوسرے لیڈر کو مشرقی پاکستان جاکر صحیح حالات پیش کرنے کی اجازت نہ تھی۔ حکمران ٹولہ نتائج سے بے پرواہ مشرقی پاکستان میں کسی محبِ وطن شہری کی جان و مال کی حفاظت سے کوئی دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوجی حکمرانوں کی نرم اور غلط پالیسی کی وجہ سے مجیب الیکشن سے قبل ہی مشرقی پاکستان کا مالک تھا۔

مغربی پاکستان میں مسٹر بھٹو چھائے ہوئے تھے۔ مسٹر بھٹو نے بھی انتخابی مہم پورے زور شور سے شروع کردی تھی۔ کسان مزدور، ہندوستان سے ذہنی دشمنی رکھنے والے اور مغربی پاکستان کا عام طبقہ مسٹر بھٹو کے ساتھ تھا۔ مسٹر بھٹو مغربی پاکستان کے مقبول

ترین رہنما تھے۔ پیپلز پارٹی سب سے با اثر اور بڑی جماعت تھی
مسٹر بھٹو نے اپنی انتخابی مہم میں ناقابلِ عمل وعدے اور
بھارت کی دشمنی کو موضوع بنایا ہوا تھا۔ ایک سب سے بڑی اور
مقبول پارٹی کا لیڈر ہوتے ہوئے انہوں نے شیخ مجیب اور ان کے
چھ نکات کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا۔ بلکہ شیخ مجیب
پر تنقید کرنے والوں کو ہدفِ تنقید بنایا۔
ایک تقریر میں کہا۔
" اگر شیخ مجیب پاکستان کے دشمن ہیں تو خان قیوم
کیوں سابق صدر ایوب کے دور آمریت میں مہر بلب رہے "
اگر مسٹر بھٹو پاکستان سے محبت رکھتے تھے تو حالات کا تقاضا
تو یہ تھا کہ وہ دوسرے محبِ وطن لیڈروں سے مل کر شیخ مجیب اور
چھ نکات کے خلاف مہم چلاتے۔ اپنے حامی جرنیلوں کو شیخ مجیب کے
بارے میں کوئی مفید مشورے دیتے۔ لیکن مسٹر بھٹو تو کچھ اور چاہتے
تھے وہ صرف مغربی پاکستان سے زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل
کرنا چاہتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مشرقی پاکستان سے
کوئی امیدوار نہ کھڑا کیا۔ مغربی پاکستان سے سو فیصد بھی نشستیں
اگر بھٹو حاصل کر لیتے تو بھی اسمبلی میں اکثریت نہ حاصل کر سکتے تھے۔
لیکن مسٹر بھٹو تو بار بار کہہ رہے تھے
" انتخابات خواہ اکتوبر میں ہوں یا دسمبر میں۔ قسط وار

ہوں یا بیک وقت پیپلز پارٹی ہر حالت میں برسرِ اقتدار آئے گی۔"

ہر حالت میں برسرِ اقتدار آنے کا مسٹر بھٹو نے تہیہ کیا ہُوا تھا۔
انتخابات ملتوی ہو کر ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو ہوئے۔ عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں ۱۹۲ نشستوں پر اپنے تمام امیدوار کھڑے کئے۔ بلوچستان سے ایک اور دو دو باقی تینوں صوبوں سے پیپلز پارٹی نے بلوچستان میں ایک صوبہ سرحد کی پچیس نشستوں میں سے سولہ پر۔ پنجاب میں ۷۷ سندھ میں ۲۵ اور مشرقی پاکستان سے کوئی امیدوار نہ کھڑا کیا۔

انتخابات فوج کی نگرانی میں بڑے پُرامن ماحول میں ہوئے۔
عوامی لیگ نے ۱۶۰۔ پیپلز پارٹی نے ۸۱۔ قیوم مسلم لیگ ۹۔ کونسل مسلم لیگ ۷۔ کنونشن مسلم لیگ ۲۔ جماعت اسلامی ۴۔ پاکستان جمہوری پارٹی ۔۱۔ جمیعت علمائے اسلام ۷۔ جمیعت علمائے پاکستان ۷۔ نیشنل عوامی پارٹی (ولی گروپ) ۵۔

یہ نتائج حیران کن اور خطرناک تھے۔ اسلامی نظریات رکھنے والی تمام جماعتیں ہار گئی تھیں۔ اکثریت شیخ مجیب نے حاصل کی تھی۔

انتخابات سے قبل یحییٰ اور مجیب میں خفیہ ملاقات ہوئی تھی۔ جس میں مجیب نے یحییٰ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ الیکشن کے بعد

اپنے چھ نکات میں تبدیلی پیدا کرلے گا۔ اور یحییٰ کو وہ مسودہ آئین بھی دکھائے گا جو اس کے ماہر تیار کریں گے۔ اس کے علاوہ مجیب نے گورنر احسن کو بھی چھ نکات میں انتخاب کے بعد تبدیلی کا یقین دلا دیا تھا۔ احسن نے مجیب سے دوستانہ مراسم پیدا کرلئے تھے۔ اکثر احسن اور مجیب میں ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ یحییٰ خاں نے مجیب کی یقین دہانی پر مجیب سے انتخاب کے بعد مذاکرات کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ یہ ایک غلط سوچ تھی۔ سوائے نیپ اور پیپلز پارٹی کے تمام پارٹیاں چھ نکات کو ملک کی سالمیت کے لئے نقصان دہ قرار دے چکی تھیں اور ان پارٹیوں نے یحییٰ خاں سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ مجیب کو چھ نکات میں تبدیلی کرنے پر مجبور کرے۔ یحییٰ خاں کے جنرل ساتھیوں ایس جی ایم پیرزادہ۔ گل حسن۔ عمر اور حمید پر مسٹر بھٹو کا بہت اثر تھا۔ بلکہ یہ جنرل بھٹو کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے اور بھٹو کی نمائندگی کرتے تھے۔ مسٹر بھٹو نے ان جنرلوں کو چھ نکات کے بارے میں کوئی مشورہ نہ دیا۔

لیکن جب چھ نکات کی بنیاد پر مجیب نے ۱۶۰ نشستیں حاصل کرلیں تو مسٹر بھٹو نے اشتعال انگیز بیان دینے شروع کر دیئے۔

"پیپلز پارٹی اپوزیشن بنچوں پر نہیں بیٹھے گی۔

سندھ اور پنجاب کے اقتدار کی کنجیاں بھٹو کے پاس ہیں۔

دونوں پارٹیاں ہی حکومت بنا سکتی ہیں۔
اقتدار میں پنجاب کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔
ملک کے دو وزیراعظم ہوں گے۔ اُدھر تم۔ اِدھر ہم۔"
ان بیانات پر ردعمل دوسری جانب سے ہونا فطری بات تھی چنانچہ دوسری جانب سے بھی اشتعال بیان داغے گئے۔

انتخاب میں کامیابی کے بعد شیخ مجیب کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا۔ اب شیخ مجیب نے صاف کہنا شروع کر دیا تھا کہ "آئین چھ نکات کی بنیاد پر بنے گا۔ چھ نکات عوام کی ملکیت ہیں۔"

۴ر جنوری ۱۹۷۱ء کو مجیب نے منتخب شدہ عوامی لیگی ممبروں سے حلف لیا کہ وہ چھ نکات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اس روز بنگلہ دیش کا نقشہ بھی دکھایا گیا۔ یحییٰ خاں سخت مشکل سے دوچار ہو گئے تھے۔ یحییٰ خاں کے پاس ایک ہی حل تھا کہ دونوں لیڈروں سے ملاقات کر کے انہیں قابلِ تسلیم آئین بنانے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ یحییٰ خاں نے محمود ہارون کو شیخ مجیب کو اسلام آباد لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن مجیب نے آنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر ۱۲ر جنوری ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان خود شیخ مجیب سے ملنے ڈھاکہ پہنچے۔ مجیب سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ وعدے یاد دلائے گئے لیکن مجیب ٹس سے مس نہ ہوا۔ اور اپنی ضد پر ڈٹا رہا۔ بلکہ اس نے یحییٰ خاں کو مسودہ آئین دکھانے سے صاف انکار کر دیا اور دھمکی دی

کہ اگر اسمبلی کا اجلاس جلد طلب نہ کیا گیا تو نتائج خطرناک ہوں گے۔
یحییٰ خاں مجیب کے اس رویہ سے غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ یحییٰ
خاں بے بس تھا۔ حکمران ٹولہ میں جو جرنیلوں پر مشتمل تھا اُسے
اپنا وقار گرتا نظر آیا۔ یحییٰ خان ناکام ہو گئے تھے۔ پھر بھی اُمید
کی ایک کرن ابھی باقی تھی۔ ایوان میں اکثریتی پارٹی کا لیڈر ہوتے
ہوئے وزیرِ اعظم تو مجیب نے ہونا تھا صرف دوسری اکثریتی پارٹی
جو کچھ جرنیلوں پر چھائی ہوئی تھی سے سمجھوتہ ہونا بقایا تھا۔ چنانچہ
یحییٰ خاں نے واپسی پر ڈھاکہ کے ہوائی اڈہ پر کہہ دیا کہ "شیخ
مجیب آئندہ پاکستان کے وزیرِ اعظم ہوں گے۔

یحییٰ خاں کی نظریں اب مسٹر بھٹو پر تھیں۔ فوجی جرنل
اکثر جیسا کئی بار عرض کیا جا چکا ہے مسٹر بھٹو کو صحیح سیاستدان
سمجھتے تھے۔ یحییٰ خاں اور دوسرے بھٹو کے حامی جرنل یہ سمجھتے تھے
کہ مسٹر بھٹو شیخ مجیب کو مل کر اُسے راہِ راست پر لے آئیں گے۔
چنانچہ یحییٰ خان اپنی جرنلوں کی ٹیم کے ساتھ مسٹر بھٹو کے پاس
لاڑکانہ آئے۔ یحییٰ خاں نے جنرل پیرزادہ۔ حمید۔ اور بھٹو کے ساتھ
شکار کھیلا۔ رنگین شامیں منائیں۔ بھٹو کی مہمان نوازی سے لطف
اٹھایا۔ بھٹو سے تنہائی میں باتیں ہوئیں۔ اور پھر ایک آخری امید
لے کر راولپنڈی چلے گئے۔

پروگرام کے مطابق ۲۷ جنوری کو بھٹو اپنی پارٹی کے

خاص اراکین کے ساتھ ڈھاکہ پہنچے۔ مجیب سے تین دن ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ملاقاتوں کو حوصلہ افزا قرار دیا جاتا رہا۔ چھ نکات سے پانچ نکات کے تسلیم کرنے کا فیصلہ بھی عوام کو سنایا گیا۔ مجیب کے ساتھ علیحدگی میں کشتی میں سیر کی۔ رازونیاز کی بات ہوئی۔ بھٹو کابینہ میں نائب وزیراعظم یا وزیر خارجہ سے کم عہدہ پر رضامند نہ تھے جبکہ شیخ مجیب انہیں وزیر زراعت بنانے پر رضامند ہو گئے تھے۔ بھٹو صاحب بغیر کسی نتیجہ کے کراچی واپس آ گئے۔ یہ مذاکرات بھی ناکام ہو گئے تھے۔

ان مذاکرات کا نتیجہ بھٹو کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہوا۔ یحییٰ خاں حکمران جرنیلوں کی نظر میں اپنا مقام کھو چکے تھے۔ مجیب کی ہٹ دھرمی نے یحییٰ خان کی کوشش اور خلوص پر پانی پھیر دیا تھا۔ یحییٰ خان کو اب کسی معاملہ پر کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہ رہا تھا۔ یحییٰ خان مذاکرات کی ناکامی کے بعد برائے نام صدر رہ گئے تھے۔ حکمران جرنیل اب بھٹو کے اور بھی قریب آ گئے تھے۔ حمید۔ پیرزادہ۔ گل حسن اور عمر مسٹر بھٹو کو ذی فہم۔ زیرک اور پاکستان کے مفاد کی حفاظت کرنے والا واحد سیاست دان سمجھتے تھے۔

جنوری ۱۹۷۱ء میں یحییٰ خان سے ملاقات کے وقت مجیب نے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس جلد طلب کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن مسٹر بھٹو نے ملتان میں پیپلز پارٹی کے ممبران اسمبلی کے خفیہ اجلاس کے بعد اعلان کیا کہ "اگر دستور ساز اسمبلی کا اجلاس فروری کے آخری ہفتہ سے پہلے بلایا گیا تو میری پارٹی کے اراکین اس میں شرکت نہیں کریں گے۔" مسٹر بھٹو کی ہر بات کو پذیرائی بخشی جاتی تھی۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کے اس مطالبہ کے پیشِ نظر ۱۳ فروری ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان نے دوسرے جنرلوں کے مشورہ سے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں طلب کر لیا۔ عوامی لیگی حلقوں نے اس اجلاس کی طلبی پر خوشی کا اظہار کیا لیکن مسٹر بھٹو کس طرح اس اجلاس سے خوش ہو سکتے تھے۔ اجلاس کے انعقاد

سے مسٹر بھٹو کا اقتدار حاصل کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ فائدہ اسی میں تھا کہ اسمبلی کا اجلاس نہ ہو۔ اور پہلے ہی اقتدار کے سوال پر سمجھوتہ ہو جائے۔ لیکن اب سمجھوتہ کے امکان بھی تقریباً ختم ہو گئے تھے۔ بھارت نے شیخ مجیب اور بھٹو کو اقتدار دلانے کی سکیم پر عمل درآمد شروع کر دیا تھا۔ جس کا ذکر اگلے کسی باب میں کیا جائے گا۔

چنانچہ مسٹر بھٹو نے ۱۵ فروری ۱۹۷۱ء کو پشاور میں پریس کانفرنس میں اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔ پریس کانفرنس میں انہوں نے چھ نکات پر سمجھوتہ کے لئے ڈھاکہ جانے کی رضامندی کا اظہار کیا۔ آج مسٹر بھٹو چھ نکات اسمبلی کے اجلاس سے قبل تبدیل کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور اسے ملک کی سالمیت اور بقاء کے خلاف قرار دے رہے تھے لیکن انتخاب سے قبل چھ نکات کی اُن کے سامنے کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہوں نے اپنے خاص مقاصد کے تحت چھ نکات پر تنقید کرنے والوں کو آمریت کا ساتھی کہا بلکہ چھ نکات کے خالق شیخ مجیب کی پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی اگرتلہ کی سازش کے کیس میں اپنی خدمات شیخ مجیب کو پیش کر دی تھیں۔ آج وہی مسٹر بھٹو اسمبلی کا بائیکاٹ انہیں چھ نکات کو بنیاد بنا کر کر رہے تھے۔ تمام محب وطن رہنماؤں نے مسٹر بھٹو کے بائیکاٹ کے فیصلہ کو عاجلانہ اور غیر سود مند قرار دیا۔

۱۹ر فروری کو مسٹر بھٹو نے صدر یحییٰ سے پانچ گھنٹہ تک ملاقات کی۔ دونوں ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ صدر یحییٰ نے مسٹر بھٹو کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ "اگر شیخ مجیب نے چھ نکات پر آئین بنایا تو فوراً اسمبلی توڑ دیں گے۔ ساتھ ہی یحییٰ خاں نے یہ بھی ضمانت دی کہ اراکین کی حفاظت فوج کرے گی۔ اسمبلی کا اجلاس فوج کے سایہ میں ہوگا۔ جو موقعہ پر اپنی کاروائی کرنے کو فوراً تیار ہوگی۔ لیکن مسٹر بھٹو کو کوئی بات قائل نہ کرسکی۔ کیونکہ مسٹر بھٹو کو بھارت کی سکیم کا علم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسٹر بھٹو نے پشاور کی پریس کانفرنس میں کہہ دیا تھا کہ " وہ کم ازکم اپنی جماعت کے افراد کو دوہری حیثیت کا یرغمالی نہیں بنانا چاہتا۔" دوہری حیثیت سے مسٹر بھٹو کی مراد بھارت اور بنگلہ دیش تھی۔ اور پھر دنیا جانتی ہے وہی ہوا۔

۱۹ر فروری ہی کو اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے مسٹر بھٹو نے کہا صدر یحییٰ اور میں نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ بحران موجود ہے اور یہ سنگین ہے۔ صدر اور میں اس کے مضمرات سے بھی آگاہ ہیں۔ لیکن ہم اسے سیاسی طور پر حل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے چھ نکات کو مسترد نہیں کیا جس چیز کی ضرورت ہے وہ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو اہمیت دینا ہے ... " یعنی چھ نکات کی بات نہ تھی۔ اصل بات اقتدار کی تھی۔

شیخ مجیب نے مسٹر بھٹو کے بائیکاٹ کے ردعمل کے طور پر کہا ... " صاف مقصد یہی نظر آتا ہے کہ قومی اسمبلی کو مفلوج کر کے آئین کا مسئلہ کھٹائی میں ڈال دیا جائے۔ تاکہ اقتدار عوام کو منتقل کرنے کا عمل بھی رُک جائے۔"

یحییٰ خاں سے ملاقات کے بعد کوئی واضح صورت سامنے نہ آئی تھی۔ یحییٰ خان اپنی ضد پر ڈٹے ہوئے تھے اور وہ کسی صورت میں اجلاس کو ملتوی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن مسٹر بھٹو فوجی افسران کی نفسیات سے واقف تھے۔ مسٹر بھٹو کو فیصلہ تبدیل کرانا آتا تھا۔

۲۸ فروری ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے لاہور کے منٹو پارک میں حکمران ٹولے اور عوامی لیگ کو چیلنج کر دیا۔ مسٹر بھٹو نے کہا " اگر پیپلز پارٹی کے پچاسی ارکان کی عدم موجودگی میں آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا تو ہم ایک زبردست تحریک چلائیں گے۔ اگر ۲ مارچ کو ہماری پارٹی کے بغیر خواتین کی نشستوں کا انتخاب ہوا تو اسی روز خیبر سے کراچی تک زبردست ہڑتال کی جائے گی ...... اگر پیپلز پارٹی کا ایک رکن بھی موجودہ صورتِ حال کے ہوتے ہوئے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے ڈھاکہ گیا تو ہم اس کی ہڈیاں توڑ دیں گے۔ میں عوام سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اسی طرح دیگر جماعتوں کے لوگ مغربی پاکستان میں قومی اسمبلی میں شرکت کے لئے ڈھاکہ جا رہے ہیں ان سے انتقام لینا آپ کا کام ہوگا ..... قومی اسمبلی کا اجلاس

ملتوی کر دیا جائے اور ہمیں شیخ مجیب الرحمان سے مزید بات چیت کا موقع دیا جائے ..... " مسٹر بھٹو نے اس تقریر میں چھ نکات اور شیخ مجیب کی تعریف کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں مزید کہا۔

" پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے چھ نکات پر کوئی تنقید اور نکتہ چینی نہ کی گئی۔ اور نہ ہی میں نے کبھی چھ نکات کے رہنماؤں پر ذاتی حملے کئے ہیں۔ بلکہ میری پارٹی نے عوامی لیگ کے چھ نکاتی پروگرام پر خاموشی اختیار کئے رکھی۔ جبکہ مغربی پاکستان کی دیگر سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے شروع ہی سے چھ نکات پر زبردست نکتہ چینی کی۔ اور شیخ صاحب کے اس پروگرام کی مذمت کی ...... جب شیخ مجیب نے اپنا چھ نکاتی پروگرام پیش کیا تھا..... اس وقت کانفرنس میں شریک سیاسی رہنماؤں نے چھ نکات کو تسلیم کرنے سے قطعاً انکار کر دیا تھا اور واضح الفاظ میں ان نکات پر عمل درآمد کو پاکستان کی موت قرار دیا تھا۔ اس کے بعد عوامی لیگ نے اس پروگرام کو مشرقی پاکستان میں پیش کیا۔ اس وقت میں نے مشورہ دیا تھا کہ چھ نکات کا کوئی سیاسی حل پیش کیا جائے ..... چھ نکاتی پروگرام پر تنقید کرنے والے اور اسے غداروں کا پروگرام کہنے والے آج ڈھاکہ کے لئے ٹکٹیں کٹوا رہے ہیں ....

ہم تین مارچ کے اجلاس میں نہیں جائیں گے اور ہماری موجودگی میں اگر اجلاس شروع ہوا تو ہم مغربی پاکستان میں ایک عظیم الشان عوامی تحریک کا آغاز کریں گے۔ اگر دو مارچ کو ڈھاکہ میں اسمبلی کا اجلاس ہوا

تو خیبر سے لے کر کراچی تک عظیم ہڑتال کی جائے گی اس دن اگر ایک دوکان بھی کھلی، تو ہم اسے اپنی ناکامی سمجھیں گے۔"

بھٹو نے یہ دودھاری تقریر سے دو فائدے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجیب کی مدح سرائی کی اور عوامی لیگ کے لئے اپنی خدمات گنوائیں تاکہ شیخ مجیب اُسے دوسری جماعتوں پر ترجیح دے کر اقتدار میں شامل کر لے۔ اور اگر ایسا ممکن نہیں تو یحییٰ اجلاس ملتوی کرنے پر مجبور ہو جائے۔

کوئی بھی فوجی جنرل بھٹو کی اس چال کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ بھٹو کی تقریر پہ فوجی جنرلوں کا اجلاس ہوا جس میں اجلاس ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اجلاس کے التواء کا بیان ایک غیر فوجی ماہر نے تیار کیا۔ لیکن جنرل پیرزادہ اور بھٹو نے اس تیار شدہ بیان کو یکسر تبدیل کر کے ایک اشتعال انگیز بیان تیار کیا۔ جس پر یحییٰ خان نے بر امرِ مجبوری دستخط کئے۔ یہ بیان صرف ریڈیو پر پڑھ کر سنا دیا گیا تھا۔ خود یحییٰ خان نے بیان نہ پڑھا تھا۔

دستور ساز اسمبلی کے ۳؍ مارچ کے اجلاس کے التوا ء کے اعلان کا شدید ردِّ عمل ہوا۔ شیخ مجیب نے اِسے اپنے لئے ایک چیلنج سمجھا انہوں نے کہا کہ "یحییٰ خاں کے اس اقدام کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ مسٹر بھٹو کے ساتھ مل کر عوام کی اُمنگوں کو پامال کرنا چاہتے ہیں ......" انہوں نے اسے ایک سازش بھی قرار دیا۔ ۲؍ مارچ ۱۹۷۱ء کو ڈھاکہ میں اس التوا ء کے خلاف مکمل ہڑتال ہوئی۔ ڈھاکہ میں یہ ہڑتال قابلِ دید تھی۔ سارے شہر کی دوکانیں، تجارتی ادارے، منڈیاں، دفتر، سکول، کالج، یونیورسٹیاں اور دیگر ادارے بند رہے۔ یہاں تک کہ ہوائی جہازوں کی پروازیں بند رہیں۔ ریل گاڑیوں کی آمدورفت معطل رہی۔ ڈھاکہ میں آتشزنی اور لوٹ مار کی متعدد وارداتیں ہوئیں مجبوراً ڈھاکہ میں کرفیو نافذ کرنا پڑا۔ شیخ مجیب نے پہلی بار اپنی طاقت کو آزمایا تھا عوام نے

نہ صرف ووٹ دیئے تھے اس کی ہر بات پر لبیک کہنے کو تیار تھے۔

ایڈمرل احسن کی جگہ جنرل یعقوب علی خاں کو سول انتظامیہ کا سربراہ اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا گیا۔ لیکن حالات اب قابو سے باہر تھے۔ یحییٰ خاں نے مجیب کی قوت کے پیشِ نظر حالات سنوارنے کی خاطر ۳ مارچ کو تمام سیاسی جماعتوں کے پارلیمانی لیڈروں کی کانفرنس ۱۰ مارچ کو طلب کر لی۔

لیکن اب منزل شیخ مجیب کے قریب آ رہی تھی شیخ مجیب نے اس دعوت کو ٹھکرا دیا اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔

۶ مارچ کو صاحبزادہ یعقوب علی خاں کی جگہ جنرل ٹکا خاں مشرقی پاکستان کے گورنر اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیے گئے۔

اسی روز یحییٰ خاں نے اسمبلی کا اجلاس ۲۵ مارچ کو ڈھاکہ میں طلب کرنے کا اعلان کیا۔ یحییٰ خاں نے ایک بار جو غلطی کی تھی اب اس کی تلافی ناممکن تھی ——— یحییٰ خاں اور اس کے جنرلوں کی توقعات کے برعکس ۷ مارچ کو شیخ مجیب نے اجلاس میں شرکت کے لئے چار شرائط پیش کیں۔

۱۔ مارشل لاء ہٹایا جائے۔

۲۔ فوجیں واپس بارکوں میں بھیجی جائیں۔

۳۔ اقتدار عوامی نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔

۴۔ حالیہ ہنگاموں میں خونریزی کی تحقیقات کرائی جائے۔

ساتھ ہی مجیب نے اعلان کیا کہ جب تک ان کی یہ شرائط تسلیم نہ کی جائیں گی وہ جدوجہد جاری رکھیں گے۔ عدم تعاون کی تحریک کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے شیخ مجیب نے ریلوے اور بندرگاہ کے عملے کو ہدایات جاری کیں کہ وہ فوجوں کی نقل و حمل کے لئے کام کرنے سے انکار کر دیں۔ عدالتیں اور سرکاری دفتر بند کرنے اور ٹیکس ادا نہ کرنے کو کہا گیا۔ ہر ادارہ مجیب کی ہدایت پر سختی سے عمل کر رہا تھا۔ مجیب کی مشرقی پاکستان میں متوازی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

ان تمام باتوں کے باوجود شیخ مجیب اور یحییٰ میں ابھی رابطہ باقی تھا۔ ۷ مارچ کو یحییٰ اور مجیب نے ٹیلی فون پر بات چیت کی۔ اس روز مجیب نے ایک جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا جس میں عام خیال یہ تھا کہ مجیب نے مشرقی پاکستان کی آزادی کا اعلان کرنا تھا لیکن ایسا نہ ہوا اس جلسہ میں مجیب نے اجلاس میں شرکت کے لئے چار شرائط پیش کیں جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے ٹیلی فون پر یحییٰ مجیب سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے اور اسے درخواست کرتے رہے کہ "خدارا پاکستان کی سالمیت سے مت کھیلو۔" ٹیلی فون پر مجیب کا رویہ مصالحانہ تھا چنانچہ ٹیلیفون پر بات چیت نتیجہ خیز رہی۔ مجیب نے یحییٰ کو مشرقی پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔

یحییٰ نے مجیب سے ایک بار پھر مذاکرات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ ۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء کو یحییٰ مجیب سے مزید بات چیت کرنے اور بحران کے حل کے لئے ڈھاکہ جانے والے تھے۔ مسٹر بھٹو کو تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں یحییٰ چپکے سے اکیلے شیخ مجیب کو اقتدار نہ حوالے کر دیں۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے اخباری بیان کے ذریعے یحییٰ کو خبردار کیا کہ اگر شیخ مجیب کے مطالبہ پر اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کیا گیا تو یہ مشرقی پاکستان میں اکثریتی پارٹی کو اور مغربی پاکستان میں اکثریتی پارٹی کو منتقل کیا جائے — ۱۵ مارچ کو پھر اعلان کیا کہ "پاکستان کے دو مختلف حصوں میں ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے۔ ایسی صورت میں اصولِ اکثریت لاگو نہیں ہوتا۔" یہ بیانات صاف ظاہر کر رہے تھے کہ اب مسٹر بھٹو اقتدار میں حصّہ دار بننے کی بجائے مغربی پاکستان پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک اخباری بیان میں برملا کہا تھا کہ اُدھر تم۔ اِدھر ہم۔"

۱۵ مارچ کو یحییٰ خان ڈھاکہ پہنچے۔ ۱۶ مارچ کو قصرِ صدارت میں یحییٰ مجیب کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں پھر مجیب نے اپنے سابقہ چاروں مطالبات کو دہرایا۔ یحییٰ نے بھی مجیب سے پھر اپیل کی کہ وہ تصادم کا راستہ چھوڑ دے۔ اس بات چیت کے دوران غیر متوقع طور پر پریشانی کے آثار مجیب کے چہرے سے عیاں تھے۔ مجیب نے کٹھن راستے کو اپنا لیا تھا۔ یہ مذاکرات جاری

روز تک جاری رہے ۔ تمام دنیا کی نظریں ان مذاکرات کی طرف تھیں ۔ اخبارات ان مذاکرات کی کامیابی کی پیشین گوئیاں کر رہے تھے ۔ مذاکرات حوصلہ افزا تھے ۔ مذاکرات کے نتیجہ میں دونوں فریقین نے مرکز اور صوبوں کے اختیارات اور آئین کی بنیادی دفعات پر مشتمل اعلامیہ تیار کر لیا تھا ۔ دونوں فریقین مطمئن تھے ۔ یحییٰ خاں پُر امید تھے ۔ یحییٰ خاں کی مدد کے لئے ایم ایم احمد ۔ جنرل پیرزادہ ۔ کرنل حسن اور جسٹس کارنیلس موجود تھے ۔ مذاکرات اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے تھے اور کسی وقت فارمولے کے اعلان کی توقع کی جا رہی تھی ۔

ادھر مسٹر بھٹو خاصے پریشان تھے ۔ مذاکرات کی کامیابی اُن کی سیاسی موت تھی ۔ وہ اقتدار سے کسی بھی طور سے محروم رہنا نہیں چاہتے تھے ۔ جنرل پیرزادہ پھر بھٹو کے کام آئے ۔ جنرل پیرزادہ کے کہنے پر یحییٰ خاں نے مسٹر بھٹو کو بھی ڈھاکہ طلب کر لیا ۔ ۲۱ مارچ کو مسٹر بھٹو اپنے ساتھیوں کو لے کر ڈھاکہ پہنچ گئے ۔ اور پھر ان کی موجودگی نے یحییٰ خاں کی محنت پر پانی پھیر دیا ۔ مسٹر بھٹو تو ہر صورت میں چاہتے تھے کہ مذاکرات ناکام ہوں بحران سنگین ہو اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں ۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے چار روزہ کی محنت کے بعد تیار شدہ اعلامیہ پر بہت سے اعتراض اُٹھائے جو بے معنی تھے ۔

مثلاً ایک اعتراض ان کا یہ تھا کہ اسمبلی کا اجلاس بلانے سے قبل اقتدار نمائندوں کے حوالے کرنا ایک قانونی خلا ہو گا۔ مسٹر بھٹو کی نظر میں مارشل لاء قانونی تھا لیکن عوامی نمائندوں کو اقتدار سونپنا غیر قانونی۔ عجیب استدلال تھا۔ مسٹر بھٹو نے بنے بنائے کھیل کو بگاڑ دیا تھا۔

حالات نے ایک اور رُخ بدلا۔ اُسی روز شیخ مجیب نے یحییٰ سے درخواست کی کہ وہ اُسے علیحدگی میں ملنا چاہتا ہے۔ یحییٰ خان اور مجیب علیحدگی میں چلے گئے تو مجیب نے بالکل نئی بات پیش کی۔ مجیب نے یحییٰ سے کہا کہ وہ مرکز میں حکومت نہیں بنائیں گے۔ وہ دونوں صوبوں میں اقتدار کا انتقال چاہتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کو اقتدار دیا جائے اور مغربی پاکستان میں وہاں کی اکثریتی پارٹی کو۔ یہی مطالبہ اس سے قبل مسٹر بھٹو کر چکے تھے۔ آج مسٹر بھٹو کی بات شیخ مجیب نے کی تو یحییٰ خان کو سخت صدمہ ہوا۔ یحییٰ خان نے مجیب سے پھر اپنے مطالبہ پر نظر ثانی کرنے کو کہا۔ اور مسٹر بھٹو سے مل کر معاملہ حل کرنے کو کہا۔ چنانچہ ۲۲ مارچ کو انہوں نے مذاکرات کئے۔ جب دونوں کے ارادے ایک ہوں۔ اور ایک ہی منزل تو مذاکرات کس بات کے چنانچہ مذاکرات کا ڈرامہ کھیلا گیا۔ اور وہ ناکام ہو گئے۔

۲۳ مارچ کو یوم پاکستان پر ڈھاکہ میں صرف دو مقامات ایوانِ صدر اور گورنمنٹ ہاؤس پر پاکستانی پرچم لہرایا جا سکا۔ ۲۳ مارچ کو شیخ مجیب نے اپنا مسودہ آئین یحییٰ کے سامنے پیش کر دیا جس میں دو اسمبلی اور کنفیڈریشن کی تجویز کی گئی تھی۔ یحییٰ خاں ملک کو اپنے ہاتھوں سے دو ٹکڑے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ۲۴ مارچ کو مغربی پاکستان کے دوسرے لیڈر بھی ڈھاکہ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بھی بھٹو اور مجیب سے مل کر معاملہ سلجھانے کی کوشش کی لیکن معاملہ اُلجھ چکا تھا۔ کیونکہ مجیب بھی اقتدار چاہتا تھا اور بھٹو بھی۔ لیکن دونوں ایک ملک میں بیک وقت حصہ دار بن کر اقتدار میں رہنا نہیں چاہتے تھے۔ دونوں مکمل سربراہ مملکت بننا چاہتے تھے۔ اب ایک ملک میں اقتدار کے لئے رسہ کشی نہ تھی بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے علاقہ پر مقتدر ہونا چاہتے تھے مسٹر بھٹو مغربی پاکستان میں انہیں مشرقی پاکستان سے کوئی غرض نہ تھی اور مجیب مشرقی پاکستان میں انہیں مغربی پاکستان سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ان دونوں کے درمیان یحییٰ خان پھنسے ہوئے تھے۔ معاملہ آخر تک پہنچ چکا تھا۔ تمام امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔ ڈھاکہ میں موجود دو سینئر جنرل یحییٰ خان کی طرف سے شیخ مجیب کو کسی قسم کی رعایت دینے کے مخالف تھے

مشرقی پاکستان کو مسلح بغاوت کے ذریعے پاکستان سے علیحدہ کرنے کا پروگرام بہت عرصہ پہلے تیار کر لیا گیا تھا۔ اگرتلہ سازش کیس میں منظور قادر نے جو تفصیل پیش کیں ان کے مطابق یہ کہا ہے ہیں۔ سازشیوں کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی چھاؤنیوں پر یکایک چھاپہ مار کر اسلحہ خانوں پر قابض ہو جائیں اور اس طرح فوج کو مفلوج کر دیں۔ بھارت کی امداد سے سمندر اور فضا کے وہ تمام راستے بند کر دیئے جائیں۔ جن سے مغربی پاکستان کی طرف سے اِن کی اس کاروائی میں کسی طرح کی فوجی مداخلت کی جاسکتی ہو۔ اس کے علاوہ ان کا پروگرام یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں مقیم مغربی پاکستانیوں کو بطور یرغمال نظر بند کر دیا جائے۔ تاکہ مغربی پاکستان میں مقیم مشرقی پاکستانیوں کا ان کے عوض

تبادلہ کرایا جا سکے۔ سازش کے ذمہ دار افراد نے ۱۲ جولائی ۱۹۶۷ء کو اگرتلہ میں بھارتی فوجی و دیگر حکام سے ملاقات کر کے فوجی بغاوت کے لیے اسلحہ گولہ بارود اور مالی امداد حاصل کرنے کے لئے بات چیت کی ....."

وقت کا انتظار تھا۔ اس پروگرام پر عمل درآمد کرنے کے حالات پاکستان میں پیدا ہو چکے تھے۔ پروگرام کے مطابق سب سے پہلے وہ تمام راستے بند کرنا تھے جن سے مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان فوجی امداد بھیجی جا سکتی تھی۔ بھارت بغیر وجہ کے راستے بند کر کے دنیا کی مخالفت مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ راستے بند کرنے کا کوئی جواز ضرور ہونا چاہیے تھا۔ بھارت نے یہ جواز بھی پیدا کر لیا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو بھارتی جہاز "گنگا" کے اغوا کا ڈرامہ کیا گیا۔ بھارتی ایجنٹوں ہاشم اور اشرف قریشی نے "گنگا" اغوا کر کے لاہور پہنچا دیا۔ مسٹر بھٹو کا بھی بھارت سے باقاعدہ رابطہ تھا۔ مسٹر بھٹو بھی اسی دن لاہور پہنچے اور ہوائی اڈہ پر بھارتی ایجنٹوں ہاشم اور اشرف قریشی سے تنہائی میں ملاقات کی اور خفیہ بات چیت ہوئی۔ آخر ان ایجنٹوں سے ملاقات کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ سردار قیوم یا کسی دوسرے لیڈر نے کوئی ملاقات نہ کی۔ ملاقات بھی تنہائی میں ہوئی۔ قوم سے کون سی بات کا اخفا رکھنا ضروری تھا۔

۲- فروری کو گنگا کو ان ایجنٹوں نے تباہ کر دیا۔ مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی نے ان ایجنٹوں کے جرم پر پردہ ڈالنے کی خاطر دونوں کا قومی ہیرو کے طور پر شارع قائداعظم پر جلوس نکالا۔ جبکہ آزاد کشمیر کے صدر سردار عبدالقیوم نے گنگا کے اغوا اور تباہی کو پاکستان کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔ شیخ مجیب نے بھی اسے مشرقی پاکستان کے عوام کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔

بھارت نے گنگا کے اغوا اور اس کی تباہی کو بنیاد بنا کر اپنے علاقہ پر سے پاکستانی جہازوں کی پرواز پر پابندی عائد کر دی۔ اس طرح بھارت نے مشرقی پاکستان فوجی امداد بھیجنے کا فضائی راستہ بند کر دیا۔

پاکستان نے سیلون کے ذریعہ مشرقی پاکستان فوجی کمک کی سپلائی جاری رکھی۔ گو یا راستہ مہنگا تھا لیکن امداد تو جاری رہی۔ بھارت نے سیلون حکومت پر بہت دباؤ ڈالا کہ وہ پاکستان کو اپنی سرزمین میں استعمال نہ کرنے دے لیکن سیلون نے بھارت کے دباؤ کے باوجود پاکستان سے تعاون کیا اور اس طرح امداد جاری رہی۔

بھارت تو چاہتا تھا کہ مشرقی پاکستان کسی قسم کی فوجی امداد نہ جا سکے۔ اس کے لئے بھارت نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

مسٹر بھٹو نے بھارتی منصوبہ کے تحت واویلا شروع کردیا کہ جنگ کا خطرہ ہے۔ ۷ ارفروری ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے کہا۔

”مسز اندرا گاندھی ان دنوں جس قسم کی دھمکیاں دے رہی ہے اس کے نتیجہ میں پاک بھارت جنگ کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

جنگ کے بارے میں بیانات کا مقصد یہ تھا کہ پاکستان مغربی سرحد پر جنگ کے خطرے کی وجہ سے مشرقی پاکستان فوج نہ بھیج سکے۔ ۱۹ ارفروری کو بھارت نے لاہور اور سیالکوٹ کی سرحدوں پر فوج لگادی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی پاکستان جس رفتار سے کمک بھیجی جارہی تھی وہ کم ہوگئی۔ پاکستان کو اپنی فوج مغربی سرحدوں پر بھی ڈالنا پڑی۔

بھارت اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوتا نظر آرہا تھا۔ ڈھاکہ مذاکرات کے نتیجہ کا انتظار کیا جارہا تھا لیکن منزل کا سب کو پتہ تھا۔ مذاکرات ناکام ہوگئے تھے اور اب مزید کوئی مذاکرات کی گنجائش نہ تھی۔ ڈھاکہ میں موجود یحییٰ خان کے ساتھی جنرل مجیب کو کسی قسم کی رعایت دینے کے مخالف تھے۔ انہیں اپنی طاقت پر ناز تھا۔ اُن کے خیال میں صرف ایک رات میں مشرقی پاکستان سے علیحدگی پسندوں کا صفایا کیا جاسکتا تھا۔ لیکن بھارت نے ترحالات سے نپٹنے کے لئے ہر قسم کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس مقصد کے لئے بھارت

مشرقی پاکستان میں کارروائی کے لئے ہیڈ کوارٹر سرحد کے قریب لے آیا تھا۔ بغاوت کے لئے بھارت سے۔طے کردہ پروگرام کے مطابق ایک دن اور وقت مقرر کر لیا گیا تھا۔ پاک فوج بھی حالات سے نپٹنے کے لئے تیار تھی۔
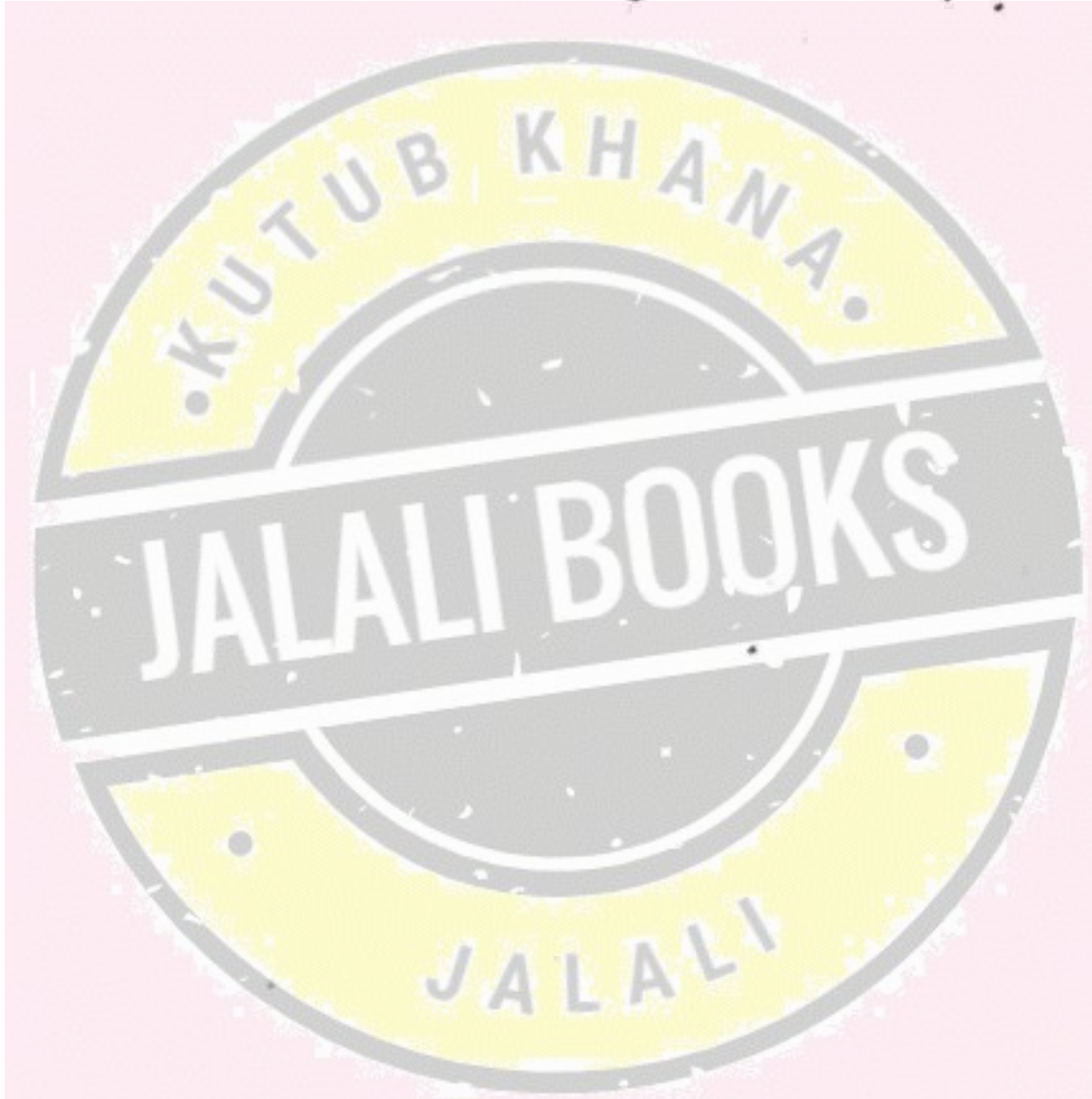
مذاکرات سے قبل ہی یحییٰ خان نے اپنے جنرل ساتھیوں کی مدد سے فوج کو بیرکوں میں بھیج دیا تھا اور مجیب اور عوامی لیگیوں کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھٹی تھی۔ بنگالیوں نے فوج کے بیرکوں میں جانے کے بعد چھاؤنیوں کی ناکہ بندی کر دی تھی۔ فوجیوں کے لئے شہر سے کسی قسم کی کوئی چیز مثلاً گوشت، سبزی، انڈے، دودھ، آٹا وغیرہ چھاؤنی لے جانے کی اجازت نہ تھی۔ فوج چھاؤنی میں بند ہو کر رہ گئی تھی۔

غیر بنگالیوں پر بنگالیوں نے حملے بھی شروع کر دیئے تھے۔ ان کا سب سے بڑے شکار بیچارے بہاری تھے۔ کسی کی جان و مال کے تحفظ کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ اس کے علاوہ فوج کو گولی چلانے کا بالکل حکم نہ تھا۔ چنانچہ ہوائی اڈہ پر موجود بنگالیوں نے فوج کے سامنے غیر بنگالیوں کو قتل کیا لیکن فوج خاموش تماشا دیکھتی رہی۔

فوج بے بس تھی۔ اس بے بسی کی وجہ سے کئی افسران نے استعفیٰ پیش کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

مذاکرات کے لئے دوسرے مغربی پاکستانی لیڈر بھی ڈھاکہ پہنچے لیکن کسی کو بھی یہ نصیب نہ ہوا کہ وہ غیر بنگالیوں کے تحفظ کی بھی بات کریں۔ غیر بنگالیوں یعنی پٹھان۔ پنجابی اور بہاری۔ سندھی کو فوج اور مغربی پاکستان کے رہنماؤں پر سخت غصہ تھا چنانچہ جب میاں ممتاز دولتانہ ڈھاکہ پہنچے تو پنجابیوں نے ان کی مرمت کی ولی خاں پہنچے تو ان کی پٹھانوں نے جوتیوں سے پٹائی کی۔

شروع میں مشرقی پاکستان میں صرف ایک ڈویژن (ڈویژن ۱۴) فوج تھی۔ جس کا زیادہ حصّہ ڈھاکہ میں تھا۔ حالات مخدوش ہوتے ہی مغربی پاکستان سے فوج آتی رہی۔ لیکن یہ فوج بھی ناکافی رہی۔ حقیقت میں مشرقی پاکستان کے دفاع کو نظر انداز کیا گیا تھا۔

مذاکرات ختم ہونے سے ایک روز قبل ہی سے دونوں جانب سے پُراسرار سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں۔ ۲۴ مارچ کو جی او سی جنرل خادم حسین راجہ نے اپنے ماتحت افسران کو ۲۵-۲۶ مارچ کو مناسب کاروائی کرنے کے لئے تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ ۲۴ مارچ ہی سے ڈھاکہ سے فوج دوسرے مقامات پر پہنچنا شروع ہو گئی تھی۔ بغاوت کا وقت بھی قریب آ گیا تھا۔

۲۵-۲۶ مارچ کی درمیانی شب کو دونوں طرف سے کاروائی

کا آغاز ہو گیا۔ ڈھاکہ گولہ باری سے گونج رہا تھا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی۔ پیل خانہ۔ موتی جھیل اور پولیس لائنز میں توپ اور مشین گنیں گولے برسا رہی تھیں۔

ایسٹ بنگال رجمنٹ۔ ایسٹ پاکستان رائفلز اور پولیس نے بغاوت کر دی تھی۔ باغیوں نے سب سے پہلے ایسٹ بنگال رجمنٹ اور ایسٹ پاکستان رائفلز میں موجود مغربی پاکستانیوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ پاک فوج کی مزاحمت کی۔ بھارتی مسلح افراد بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ پاک فوج کے بنگالی بھگوڑوں اور بھارتی مسلح افراد پر مشتمل مکتی باہنی پاک فوج کا مقابلہ نہ کر سکی۔ البتہ اس نے غیر بنگالی شہریوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے مکتی باہنی کے ہاتھوں کم از کم دس لاکھ بے گناہ افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ جن میں بوڑھے بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں۔ متحدہ پاکستان کے حامی اور غیر بنگالی ان کے ظلم سے نہ بچ سکے۔ پورے مشرقی پاکستان میں وحشت و بربریت کی فضا قائم تھی۔

مکتی باہنی فوج کے سامنے زیادہ عرصہ تک نہ ٹھہر سکی۔ مئی تک پاک فوج نے پورے مشرقی پاکستان کو باغیوں اور شرپسندوں سے صاف کر دیا۔ باغی اور دوسرے افراد بھاگ کر سرحد پار بھارت چلے گئے جہاں بھارت نے ان پناہ گزینوں کے لئے کیمپ قائم کر دیئے تھے۔

بھارت نے ان پناہ گزینوں کی موجودگی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بھارت نے پناہ گزینوں کی تعداد کو مبالغہ کرکے پیش کیا۔ بھارت نے اپنی پروپیگنڈہ مشنری سے واویلا مچایا کہ "پاک فوج نے بنگالیوں پر بے پناہ ظلم کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ بھارت اس قابل نہیں کہ ان کا بوجھ اٹھا سکے اس لئے دوسری حکومت بھارت کی اس نیک کام میں مدد کریں۔" یہودی پریس نے بھی پاک فوج کے ظلم کی داستان کو خوب اچھالا۔ نیز بھارت نے پناہ گزینوں کے مسئلہ کو بنیاد بنا کر پاکستان میں فوجی مداخلت کا جواز پیدا کیا۔

مارچ میں بغاوت کا منصوبہ ناکام ہونے کے بعد بھارت نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کے لئے نیا منصوبہ بنا لیا تھا۔ مون سون کا موسم اس منصوبہ کے لئے بہترین موسم تھا۔ یہ موسم پاک فوج کے لئے سازگار نہ تھا۔ اس منصوبہ کا انچارج ناگالینڈ میں چھاپہ مار جنگ کے تجربہ کار بریگیڈیر شاہ بیگ سنگھ کو بنا دیا گیا تھا۔ شاہ بیگ سنگھ نے پاک بھارت سرحد سیل کر دی تھی۔ مشرقی پاکستان سے پناہ گزین سرحد پار کرکے بھارت تو جا سکتا تھا لیکن بھارت سے کوئی پناہ گزین واپس مشرقی پاکستان نہ آ سکتا تھا۔ جو گیا وہیں کا ہو گیا۔

ان پناہ گزینوں کو ان کیمپوں میں چھاپہ مار جنگ کی تربیت

دی گئی۔ تربیت کے بعد ان چھاپہ ماروں کو مشرقی پاکستان میں توڑ پھوڑ کی کاروائی اور پاک فوج پر حملے کرنے کے لیے دھکیل دیا جاتا۔ ان چھاپہ ماروں میں سے بہت سے پاک فوج کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والے چھاپہ ماروں نے اعتراف کیا کہ انہیں اُن کی مرضی کے خلاف زبردستی بھیجا گیا ہے۔

ایک چھاپہ مار اپنی بے بسی پر چلا اٹھا۔

"اے خدا ہم کیا کریں۔ اگر ہم لڑتے ہیں تو پاکستانی ہمیں قتل کر دیتے ہیں اور اگر ہم نہیں لڑتے تو بھارتی ہمیں ختم کر دیتے ہیں۔"

ان پناہ گزین کیمپوں میں پاکستان کے خلاف لڑائی سے انکار کرنے والوں کو گولی مار دی گئی۔ ان کی لاشیں دریاؤں میں بہا دی گئیں۔ پناہ گزین بھارت کے شکنجہ میں پھنسے ہوئے تھے اور پاکستان کے پاس اس شکنجہ سے ان کو نجات دلانے کے لیے کوئی حل نہ تھا۔

ان پناہ گزینوں کی وجہ سے پوری دنیا میں پاکستان بدنام ہو گیا تھا۔ آخر یحییٰ خاں نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ پناہ گزینوں سے واپس وطن چلے آنے کی اپیل کی گئی۔ سرحد پر استقبالیہ کمیٹیاں بنائی گئیں۔ واپس آنے والوں کا استقبال کیا گیا۔ بہت سے پناہ گزین واپس آ گئے لیکن ان میں بھارتی افراد بھی آ گئے۔

لیکن بھارت کی تسلی نہ ہوئی۔ بھارت تو ایک بہانہ بنانا چاہتا تھا۔ ۲۶ مئی کو اندرا گاندھی نے بھارتی پارلیمنٹ میں اعلان کیا " ...... آخری بار میں یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر بڑی طاقتوں نے پاکستان کو مشرقی پاکستان سے فوجیں واپس بلانے اور تمام پناہ گزینوں کو واپس لینے پر مجبور نہ کیا تو بھارت ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کرے گا "...... ہم مشرقی پاکستان کی موجودہ صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتے اور ہم پاکستان کے خلاف جو کارروائی مناسب سمجھیں گے۔ کریں گے۔"

بغاوت کے منصوبہ کی ناکامی کے بعد مون سون کے موسم میں چھاپہ مار جنگ کا بھارتی منصوبہ بھی پاک فوج نے ناکام بنادیا تھا۔ بھارت کا یہ خیال کہ پاک فوج مون سون کے موسم میں مزاحمت نہ کرسکے گی غلط ثابت ہوا۔ بھارت اپنی ہر سکیم میں ناکام ہوچکا تھا۔ اب اس کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ براہِ راست مشرقی پاکستان پر حملہ کیا جائے۔ اس حملے کی بھارت نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی تھی۔ صرف پناہ گزینوں کی موجودگی ہی حملہ کے جوازکے لئے کافی تھی۔ بھارت نے پناہ گزینوں کے مسئلہ کو اپنے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے خوب اچھالا۔

مسز اندرا گاندھی نے ان حالات میں غیر ملکی دورہ کیا۔ اس دورہ میں اندرا نے کوشش کی کہ کوئی ملک بھی پاکستان کو کسی قسم

کی اخلاقی یا مادی مدد نہ دے۔

ہنری کسنجر اُن دنوں پاکستان اور چین کا دورہ کر کے گئے تھے۔ ہنری کسنجر نے بھارتیوں کو بتا دیا تھا کہ اگر جنگ ہوئی تو چین مداخلت کرے گا اور پاکستان کی مدد کرے گا۔ یہ بھارت کے لئے بڑی تشویش ناک بات تھی۔ بھارت کا تیسرا منصوبہ بھی خاک میں ملتا نظر آ رہا تھا۔ بھارت کو بھی ایسے ساتھی کی تلاش ہوئی جو چین کے مقابلہ میں بھارت کی کھل کر مدد کر سکے۔

امریکہ کی ہمدردیاں صرف مغربی پاکستان کے دفاع تک پاکستان کے ساتھ تھیں۔ پاکستان نے ہی اپنی کوششوں سے چین اور امریکہ کو ایک دوسرے کے قریب کیا تھا۔ امریکہ پاکستان کے اس کام پر بہت خوش تھا۔ پاکستان کے مقابلہ میں امریکہ بھارت کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

بڑی طاقتوں میں صرف روس باقی رہ گیا تھا۔ روس شروع ہی سے پاکستان کے خلاف تھا۔ پاکستان امریکہ کا حلیف تھا۔ پاکستان میں امریکہ کے اڈے رہے تھے۔ پشاور کے اڈہ ہی سے یو ٹو جاسوس جہاز نے اڑ کر روس کے اوپر پرواز کی تھی۔ روس نے اسی دن سے نقشہ پہ پشاور پر سُرخ نشان لگا دیا تھا۔

(بعد میں یہ اڈہ ایوب خان کے دور میں اٹھا لیا گیا)

روس نے چین کے خلاف ایشیائی سلامتی کے منصوبہ کی تجویز

پیش کی تھی جس کے مطابق افغانستان۔ بھارت ایران پاکستان اور روس تمام مل کر ایک ایسا گروپ تشکیل دیں جس میں روس کی سربراہی ہو۔ ان تمام علاقے میں کھلی تجارت ہو۔ یہ ایک قسم کی کنفیڈریشن کی تجویز تھی۔ اس کا مقصد ایک طرف تو چین کا محاصرہ اور دوسری طرف روس کا گرم پانی تک پہنچنا تھا۔ بھارت نے اس منصوبہ کی تجویز کا خیر مقدم کیا لیکن پاکستان نے اس میں شمولیت سے صاف انکار کر دیا تھا۔ پاکستان چین کے خلاف کسی منصوبہ میں کیسے شامل ہو سکتا تھا۔ کریملن کے لیڈر پاکستان سے ناراض ہو گئے تھے۔

پاکستان روس سے بھی بہتر تعلقات استوار کرنا چاہتا تھا اور چین کی دوستی کو بھی کسی قیمت پر قربان نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن روس کو چین کی دوستی ناگوار گزرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یحییٰ خان کو روسی وزیر اعظم نے صاف کہہ دیا تھا کہ "اگر روس سے دوستی رکھنا چاہتے ہو تو چین کی دوستی ختم کرنا ہوگی۔"

یحییٰ خان نے مثال دینا چاہی کہ کئی ایسے ملک بھی ہیں جن کے تعلقات دونوں حریفوں سے ہیں لیکن روسی لیڈر نے یحییٰ خان کو یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ "چھوٹے ملکوں پر یہ اصول لاگو نہیں ہوتا۔"

روسی لیڈروں کی پاکستان سے مخاصمت کی ایک اور وجہ اعلانِ تاشقند پر پاکستانی عوام کا ردِ عمل تھا۔ پاکستان میں اعلانِ تاشقند کا جو حشر ہوا روسی لیڈر اسے اپنی توہین سمجھتے تھے۔

انہیں وجوہات کی بناء پر روس پاکستان کے مقابلہ میں بھارت کا حامی تھا۔ چنانچہ چینی مداخلت کے پیش نظر ۹۔ اگست ۱۹۷۱ء کو روس اور بھارت میں دفاعی معاہدہ ہو گیا۔

اب ہندوستان کو چین کی مداخلت کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ روس کی مدد سے بھارت اپنی منزل کے قریب تھا۔ دفاعی معاہدہ کے تحت ۲۷۔ اکتوبر کو روسی فوجی ماہرین نئی دہلی پہنچے تاکہ وہ مشرقی پاکستان کی صورت حال کا جائزہ لے کر بھارت کی مدد کر سکیں۔ بھارت نے معاہدہ کے تحت روس سے فوجی امداد طلب کر لی تھی۔ یہ ماہرین بھارت کی جنگی ضرورت کا اندازہ لگانے آئے تھے۔ بھارتی اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوتے نظر آ رہے تھے۔ ان روسیوں کی آمد اور بات چیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اندرا گاندھی نے بھارتی مسلح افواج کے سربراہوں کو ۲۸ اکتوبر کو مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر کمزور مقام تلاش کر کے حملہ کرنے اور قبضہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

بھارت نے روس سے دفاعی معاہدہ کرنے کے بعد اپنے تیسرے منصوبہ پر عمل شروع کر دیا۔ بھارت جنگ کے ذریعہ مشرقی پاکستان پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے بھارت نے سات انفنٹری ڈویژن۔ تین خود کفیل انفنٹری بریگیڈ۔ تین بکتر بند رجمنٹیں۔ ایک چھاتہ بریگیڈ۔ تیس سرحدی حفاظتی بٹالین۔ فضائیہ کے گیارہ لڑاکا طیاروں کے سکواڈرن اور پانچ ہیلی کاپٹر سکواڈرن مشرقی پاکستان کی سرحدوں پر جمع کر دیے تھے۔ بھارت نے مشرقی پاکستان میں چھاپہ مار سرگرمیوں میں اضافہ بھی کر دیا تھا۔

۲۸۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو اندرا کی ہدایت پر اعلانِ جنگ کے بغیر بھارتی فوج نے کمزور مقام کی تلاش میں دیناج پور سے سلہٹ اور کومیلا تک پوری سرحد پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن پاک فوج نے اس حملہ کو

بُری طرح ناکام بنا دیا،

بھارت نے مشرقی پاکستان کے علاوہ مغربی پاکستان کی سرحد پر بھی بارہ انفنٹری ڈویژن - ایک بکتر بند ڈویژن - تین انفنٹری بریگیڈ - چار خود کفیل بکتر بند بریگیڈ - ایک چھاتہ بر بگیڈ - چھپن سرحدی حفاظتی بٹالین لگا دی تھیں - فضائیہ کی طاقت اس کے علاوہ تھی ۔ سرحد پر دونوں ملک کی فوجیں چند سو گز کے فاصلہ پر پوزیشنیں لئے تیار کھڑی تھیں - مشرقی پاکستان میں ۲۸ - اکتوبر سے بھارتی فوج لگاتار حملے کر رہی تھی - لیکن مغربی پاکستان کی سرحد پر خاموشی تھی - جنگ کی حکمت عملی کا تقاضا تو یہ تھا کہ مغربی سرحد پر مشرقی پاکستان میں بھارتی دباؤ کم کرنے کی غرض سے پاکستان کی طرف سے حملہ کیا جاتا ۔ تمام محب وطن رہنما یحییٰ پر ایسا کرنے کے لئے زور دے رہے تھے - پروفیسر غلام اعظم نے کہا " مشرقی پاکستان اس ملک کا حصہ ہے تو اسے بچانے کے لئے اعلانِ جنگ کیوں نہیں کیا جاتا - اور کچھ نہیں تو فوج کو بچانے کی کوشش کی جائے ...... "

لیکن یحییٰ خان تو بھٹو کے ساتھیوں کے نرغے میں تھے - انہیں کسی قسم کے فیصلے کرنے کا کوئی اختیار نہ رہا تھا - جنرل پیرزادہ - گل حسن اور جمیل جو فیصلہ کر دیتے یحییٰ خان دستخط کر دیتے - یحییٰ خان اب اپنا زیادہ وقت شراب نوشی اور عیش کی محفلوں میں گزارتے تھے -

بھارت کا روس سے دفاعی معاہدہ ہو گیا تھا - لیکن پاکستان

سیٹو اور سنٹو کا رکن ہونے کے باوجود سالمیت کی اس جنگ میں اکیلا تھا۔ چین نے پاکستان کو ہر بار امداد کا یقین دلایا تھا۔ پاکستان کی نظریں بھی چین پر لگی ہوئی تھیں۔ یحییٰ خان نے چین فوجی وفد بھیجنے کا ارادہ کیا۔ چین کے بارے میں پہلے آچکا ہے کہ چین اس جنگ میں ضرور مداخلت کرے گا۔ چین کی مداخلت کے خطرے کے پیش نظر بھارت نے روس سے معاہدہ کیا تھا۔ اب اگر چین مداخلت کرے گا تو صورت نہ جانے کیا ہوگی۔ اب تک تو صورتِ حال بھٹو کے حق میں تھی۔ ان خطرات کو سوچ کر مسٹر بھٹو کا چین جانا اس کے حق میں نہایت ضروری تھا۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے ۲۔ نومبر کو یحییٰ خان سے ایوانِ صدر میں ملاقات کی۔ اور پھر مسٹر بھٹو ہی کی زیرِ قیادت ایک اعلیٰ اختیارات کا فوجی وفد چین بھیجا گیا۔ جس میں ایر مارشل رحیم خان۔ جنرل گل حسن اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ اس وفد کی قیادت سے پاکستان کو فائدہ پہنچا یا نہ پہنچا یہ وقت ہی بتلائے گا۔ البتہ مسٹر بھٹو کو ضرور فائدہ پہنچا۔ اب تک صرف فوجی جنرل ہی مسٹر بھٹو کے گرویدہ تھے۔ اس وفد کی قیادت کی بدولت مسٹر بھٹو کو پاک فضائیہ کے ایر مارشل رحیم خان کو رام کرنے کا پورا موقع مل گیا۔

مسٹر بھٹو کو انسان کی نفسیات پر بڑا دخل ہے۔ وہ ہر شخص سے اس کی نفسیات کے مطابق بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے ایک دفعہ ایک نشست میں مسٹر بھٹو کی باتیں سُنیں وہ مسٹر بھٹو کا ہو گیا۔

مسٹر بھٹو نے اپنی باتوں اور ارادے سے ایر مارشل رحیم خان اور

دوسرے جنرلوں کو یحییٰ خان سے بدظن کر دیا۔ اب یہ تمام کسی صورت میں بھی یحییٰ خان کو برسرِ اقتدار نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔

چین سے وفد واپس آیا تو مسٹر بھٹو کی دنیا بدل چکی تھی مسٹر بھٹو کو اقتدار کے لیئے لائن کلیر مل گیا تھا۔ اب اس کے اقتدار کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ رکاوٹ تھی تو صرف مشرقی پاکستان تھا۔

یحییٰ خان نے بھی اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے قومی حکومت تشکیل دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جس میں تمام جماعتوں کی نمائندگی ملنی تھی۔ یہ بات مسٹر بھٹو کے لیئے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ اکیلے کلی طور پر برسرِ اقتدار آنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ۱۱ر نومبر ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے دھمکی دی۔

" اگر مکاروں۔ عیاروں اور غداروں کو حکومت دی تو ہم اُسے چالیس دن بھی نہیں چلنے دیں گے۔ حکومت بنانے کے بعد اندرا سے بات کی جائے گی۔"

مشرقی پاکستان میں جنگ جاری تھی۔ مغربی پاکستان پر بھی جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ملک کی سلامتی کو سخت خطرہ تھا۔ پوری قوم ملک کی سلامتی کے لیئے دعائیں مانگ رہی تھی۔ محب وطن رہنماؤں نے بھی سیاسی مطالبات اور بیانات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ ملک کی سلامتی اولین مسئلہ تھا۔ ملک سلامت رہا تو اقتدار کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا لیکن مسٹر بھٹو کو ایسے نازک موقعہ پر بھی اقتدار کی پڑی ہوئی تھی۔

انہیں ملک کی سلامتی سے کیا غرض تھی۔ بھارت۔ روس اور امریکہ مسٹر بھٹو کی پشت پر تھے۔

۲۲۔ نومبر ۱۹۷۱ء کو مسٹر بھٹو نے پھر اپنا پرانا مطالبہ دہرایا۔
"اقتدار میرے حوالے کر دو۔ میری پارٹی ملک کی اکثریتی جماعت ہے اور اب بھی اسے اگر ملک کی عنانِ حکومت نہ سونپی گئی تو پھر آگے چل کر جو کچھ ہو گا ہم اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔"

یحییٰ خان کی خواہش تھی کہ جب تک مشرقی پاکستان کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا پاکستان میں تمام جماعتوں پر مشتمل مخلوط حکومت ہو لیکن مسٹر بھٹو اس بات پر راضی نہ تھے۔

۲۲ر نومبر ۱۹۷۱ء سے بھارت نے مشرقی پاکستان کی تمام سرحد پر بھرپور حملہ کر دیا تھا۔ اور قبضہ کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت جنگ میں جھونک دی تھی۔ مشرقی پاکستان کے کچھ حصہ پر بھی بھارتیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ پوری قوم پریشان تھی لیکن مسٹر بھٹو صرف اقتدار کی باتیں کر رہے تھے۔ ۲ر دسمبر کو مسٹر بھٹو نے اعلان کیا۔ "پیپلز پارٹی شکست خوردہ عناصر اور ساز شیوں کے ساتھ مخلوط حکومت میں شریک نہیں ہو سکتی۔ بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے اقتدار ہمارے حوالے کیا جائے۔" مسٹر بھٹو کے برعکس تمام جماعتوں کے رہنماؤں نورالامین۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ شاہ احمد نورانی۔ نوابزادہ نصراللہ خان اور دیگر نے ملکی صورتِ حال پر غور کیا۔ جو ۳ر دسمبر کو مسٹر بھٹو نے

لیاقت باغ راولپنڈی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " میں نورالامین کی قیادت میں نائب وزیر اعظم بننے کو تیار ہوں بشرطیکہ یحییٰ خان اس کی شرطیں قبول کرے ۔"

اب نہ جانے مسٹر بھٹو مخلوط حکومت میں کیوں شامل ہونا چاہتے تھے جبکہ وہ پورے ایک ماہ سے مخلوط حکومت کے قیام کی شدید مخالفت کر رہے تھے ۔ اس سے پیشتر بقول مبصر بی بی سی " قومی حکومت کی تشکیل میں مسٹر بھٹو سب سے بڑی رکاوٹ تھے ۔"

۱۹۷۰ء کے انتخاب کے بعد ہی سے بڑی طاقتوں نے پاکستان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان کا سیاسی تصفیہ کرے۔ یحییٰ خان نے اپنی پوری کوشش کی تھی کہ مجیب سے سیاسی تصفیہ ہو جائے۔ لیکن اس سیاسی تصفیہ میں ہر بار مسٹر بھٹو رکاوٹ ثابت ہوئے۔ مارچ ۱۹۷۱ء میں مجیب کی گرفتاری کے بعد امریکہ نے پاکستان پر سیاسی تصفیہ کے لئے پھر دباؤ ڈالا۔ امریکی دباؤ ہی کے تحت یحییٰ نے امریکہ کو شیخ مجیب کی زندگی کی ضمانت دے دی تھی۔ بلکہ فوج نے تمام عوامی لیگی لیڈروں کے خاندانوں کو عزت سے رکھا اور انہیں ہر قسم کی سہولت دیں۔

یحییٰ خان نے جسٹس کارنیلس کو مسودہ آئین کی تیاری کا کام بھی سونپا تھا۔ جنرل پیرزادہ کی صدارت میں آئین کمیٹی کا اجلاس ہوتا تھا۔ مسٹر بھٹو کے مشورہ سے جو مسودہ آئین پیرزادہ نے تیار

کیا تھا وہ بنگالیوں اور مشرقی پاکستان کے سیاسی تصفیہ کے لئے ناکافی تھا - یہ مسودہ تو صرف مسٹر بھٹو کی تسلی کے لئے تیار کیا گیا تھا جو مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کے بعد اقتدار کا مطالبہ کر رہے تھے -

امریکہ مغربی پاکستان کا سیاسی حل چاہتا تھا۔ سیاسی حل کے لئے فضا سازگار بنانے کے لئے یحییٰ خان نے ۳۱- اگست کو مشرقی پاکستان میں سول انتظامیہ قائم کردی تھی جنرل ٹکا خان کو بلا کر جنرل اے اے کے نیازی کو مشرقی پاکستان کا کمانڈر اور مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا تھا اور ڈاکٹر اے ایم مالک مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر کر دئے تھے -

امریکہ نے مغربی بنگال میں مقیم عوامی لیگی لیڈروں سے سیاسی تصفیہ کے لئے رابطہ قائم کیا - ادھر اسے کے بروہی کی معرفت شیخ مجیب سے رابطہ تھا- یحییٰ خان کی خواہش بھی یہی تھی کہ مشرقی پاکستان کا کوئی باعزت تصفیہ ہو جائے - چنانچہ ریفرنڈم کے لئے فریقین میں بات چیت ہوئی - یہی ایک صورت رہ گئی تھی کہ مشرقی پاکستان میں ریفرنڈم کرایا جائے کہ "مشرقی پاکستانی پاکستان سے متحد رہنا چاہتے ہیں یا علیحدہ ہونا چاہتے ہیں -" یہ اس وقت کے حالات کے تحت مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا بہترین حل تھا -

لیکن اس تصفیہ میں بھی مسٹر بھٹو رکاوٹ ثابت ہوئے - دوسری طرف اندرا اس مسئلے کے حل میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی - اندرا کو یقین تھا

کہ اب پاکستان کی کمر ٹوٹ چکی ہے۔ مشرقی پاکستان پاکستان کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔ ایسے حالات میں وہ اپنے کئے پر پانی نہیں پھیرنا چاہتی تھی۔ یحییٰ خان نے اندرا کو بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ جنگ کا راستہ اختیار نہ کرے۔ لیکن اندرا تو فاتح بننا چاہتی تھی۔

نومبر ۱۹۷۱ء میں جب بھارتی ہائی کمیشن مسٹر جے کمار اٹل نے اپنے کاغذات سفارت یحییٰ خان کو پیش کئے تو یحییٰ خان نے برصغیر میں امن کے لئے پانچ نکاتی فارمولا پیش کیا۔ جس میں مجیب کو رہا کرنے۔ ریفرنڈم کرانے۔ آل پارٹیز گورنمنٹ بنانے۔ اور پناہ گزینوں کو واپس لینے کی شرائط تھیں۔ جے کمار اٹل یحییٰ خان کا یہ امن کا فارمولا لے کر نئی دہلی واپس گیا۔ اندرا کے سامنے یحییٰ خان کا فارمولا پیش کیا۔ لیکن اندرا نے فارمولے کی تمام شرائط ماننے سے انکار کر دیا۔ اندرا کے نزدیک ۱۹۷۰ء کے انتخاب ہی ریفرنڈم تھے جو چھ نکات کی بنیاد پر لڑے گئے تھے۔ اور جس میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی واضح تھی۔ دوسرا بڑا اعتراض اندرا کا آل پارٹیز گورنمنٹ بنانے پر تھا۔ اندرا کے نزدیک صرف شیخ مجیب واحد گورنمنٹ بنانے کا حق رکھتے تھے۔ پانچ نکاتی فارمولے کے جواب میں اندرا نے تصفیہ کے لئے تین شرائط پیش کیں۔

۱۔ مجیب کو رہا کیا جائے۔

۲۔ ضمنی انتخاب کالعدم قرار دئے جائیں۔

۳۔ عوامی لیگیوں سے سمجھوتہ کیا جائے۔

ان شرائط کی سب سے زیادہ مخالفت مسٹر بھٹو اور اس کے جنرل ساتھیوں نے کی۔ مسٹر بھٹو کسی طور پر بھی سیاسی سمجھوتہ نہ چاہتے تھے۔ وہ جنرلوں کو ہاتھ میں لے کر سیاسی تصفیہ کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ یحییٰ خان نے تصفیہ کی کوشش کی ناکامی پر افسردہ لہجے میں کہا تھا۔

"سیاسی تصفیہ کے راستے میں مکار عورت اندرا اور غیر معمولی خواہش کا پتلا بھٹو سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔"

اس طرح اندرا اور سب سے زیادہ مسٹر بھٹو کی وجہ سے سیاسی تصفیہ کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔
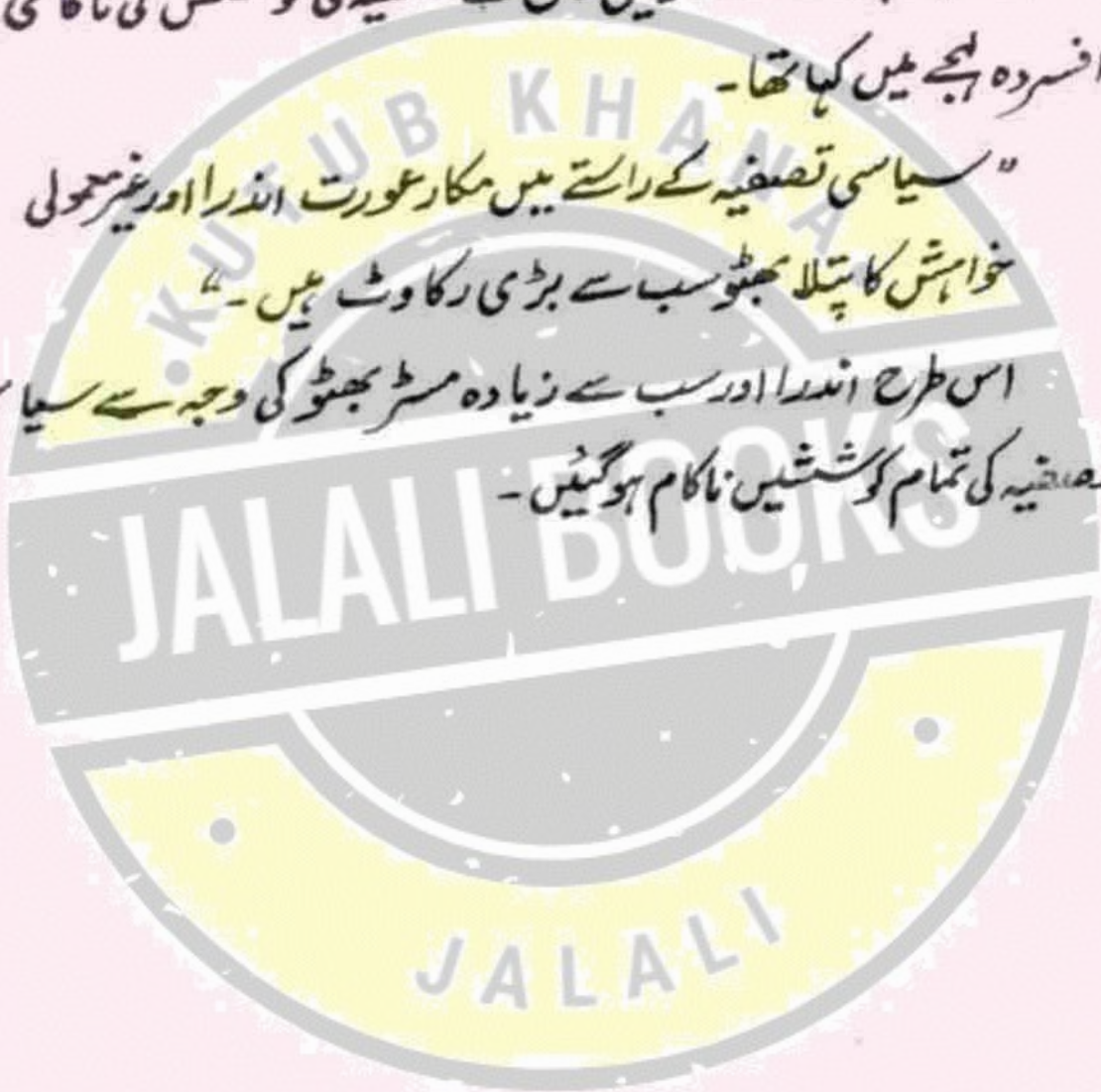
بین الاقوامی سطح پر مشرقی پاکستان کے سیاسی تصفیہ کی تمام کوششیں مسٹر بھٹو اور اندرا کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھیں۔ اب تصفیہ کا کوئی راستہ تھا۔ بھارت مشرقی پاکستان پر ہر صورت میں قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ ۲۸ر اکتوبر سے ۱۲ر نومبر تک بھارتی فوج مشرقی پاکستان میں قبضہ کرنے کی لگاتار کوشش کرتی رہی لیکن پاک فوج نے اس کی ہر کوشش ناکام بنا دی تھی۔ آخر ۲۲ر نومبر کو بھارت نے مشرقی پاکستان پر باضابطہ اعلان جنگ کئے بغیر نویں انفنٹری ڈویژن۔ چوتھے پہاڑی ڈویژن اور دو ٹینک رجمنٹوں کے ساتھ بھرپور حملہ کر دیا۔ رات بھر شدید لڑائی رہی۔ پاک فوج نے اتنے وسیع اور منظم حملہ کو جس عزم اور حوصلہ سے روکا پاکستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا۔ بھارتی کوشش

ناکام ہو گئی۔ پاک فوج نے اپنے سے چار گنا فوج کے حملہ کو پسپا کر دیا۔ ۲۳ نومبر کو بھارت نے فضائیہ کی پوری طاقت بھی مشرقی پاکستان کی جنگ میں جھونک دی۔ پاک فوج نے بلند حوصلے سے مقابلہ کیا۔ بھارت کے پاس بے انتہا فوج تھی۔ بھارت اپنی تازہ دم فوج لڑائی میں استعمال کر رہا تھا۔ اس کے پاس جدید ترین اسلحہ بھی تھا۔ جس کی سپلائی باقاعدہ جاری تھی۔ لیکن پاک فوج کے مجاہدین لگاتار کئی راتوں سے لڑ رہے تھے۔ امداد کے تمام راستے بند تھے۔ انہیں کسی قسم کی باہر سے امداد نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ پاک فوج محصور ہو کر رہ گئی تھی۔ لیکن پھر بھی پاک فوج کے جوان اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھتے ہوئے اپنے وطن کے دفاع پر ڈٹے ہوئے تھے۔ لڑائی دن بدن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ بھارت روز نئے محاذوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ لیکن پاک فوج کی تعداد گھٹتی جا رہی تھی۔ بہت سے مجاہدین وطن کا دفاع کرتے ہوئے اپنے گھر، بیوی بچوں سے ہزاروں میل دور جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ بہت سے زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ ان زخمیوں کی صحیح علاج معالجے کی سہولتیں میسّر نہ تھیں۔ بھارت ہسپتالوں پر بھی بمباری کر رہا تھا۔ ان تمام حالات کے باوجود پاک فوج کے حوصلے نہایت بلند تھے۔

لیکن کب تک ان حالات میں مشرقی پاکستان میں جنگ جاری رہتی۔ فوجی حکمت عملی کا تقاضا تو یہ تھا کہ مغربی پاکستان سے بھارت

پر بھرپور حملہ کر دیا جاتا۔ محب وطن رہنما یحییٰ خان پر زور دے رہے تھے لیکن یحییٰ خان تو کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ آخر ۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستان کو حملہ کرنا پڑا — حملہ سے پہلے پاک فضائیہ کے شاہینوں نے بھارتی ہوائی اڈوں پر کامیاب بمباری کی۔ بہت سے بھارتی جہاز ہوائی اڈوں پر کھڑے ہوئے تباہ کر دیئے گئے۔ پاک فوج نے ۳ر دسمبر کو بجلی کی سی تیزی سے سرحد عبور کی اور راتوں رات بھارت کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پاک فوج کھیم کرن۔ امرتسر اور پونچھ کے دروازوں تک پہنچ گئی تھی۔ پہلے روز ہی پاک فوج نے شہر دلوا۔ پکا قصبہ۔ اور قیصر ہند پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اور آگے بڑھ گئی۔

بھارت کے لئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا۔ بھارتی حکمران پاکستان کے اس حملہ سے بوکھلا گئے۔ کیونکہ انہیں یقین دلا دیا گیا تھا کہ پاکستان مغربی سرحد سے کوئی حملہ نہیں کرے گا۔ حالانکہ یہ حملہ تو پاکستان کو بہت عرصہ پہلے کرنا چاہیئے تھا۔

اس اپریشن کا جنرلوں کو آخری وقت بتایا گیا۔ جنرل حمید نے کور کمانڈر جنرل شیر بہادر کو اپریشن کا ۳۰-۱۴ بجے بتایا۔ جنرلوں میں آپس میں بہت کم ربط تھا۔ ان تمام کمی کے باوجود پاک فوج نے تھوڑے سے وقت میں کافی کامیابی حاصل کی تھی۔

بھارت نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد۔ اپنی دفاعی پوزیشن

نہایت مضبوط کرلی تھی ۔ مغربی پاکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ بم پروف مورچے بنائے گئے تھے ۔ ان مورچوں تک پکی سڑک بھی تعمیر کی تھی تاکہ اسلحہ اور فوج کی سپلائی میں آسانی ہو ۔ ان مورچوں کو فتح کرنا آسان کام نہ تھا لیکن پاک فوج نے پہلے ہی حملہ میں بھارت کی پہلی دفاعی لائن صاف کردی اور ان مورچوں کو روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی ۔
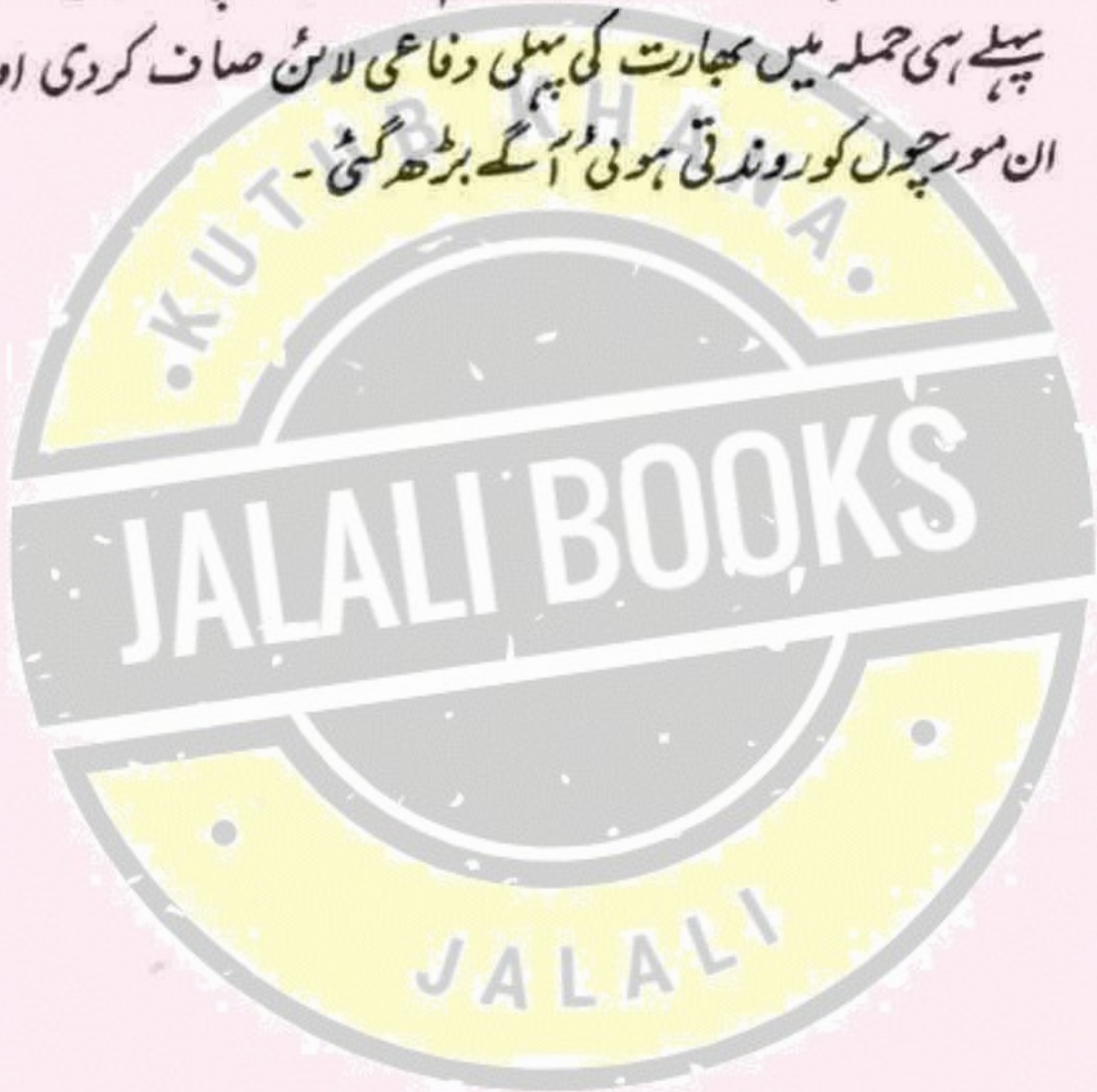
پاکستان کے دونوں محاذوں پر شدید جنگ جاری تھی۔ پاک فوج مغربی محاذ پر پہلی رات ہی کامیابی حاصل کر کے بہت آگے بھارت کے علاقہ میں بڑھ گئی تھی۔ پوری قوم پاک فوج کی اس کامیابی سے بہت خوش تھی۔ جنگ کے دوسرے روز ہی پاکستان کے سرحدی شہروں لاہور، قصور وغیرہ میں یہ افواہیں گشت کر رہی تھیں کہ "پاک فوج نے امرتسر فتح کر لیا ہے۔ اس وقت گولے امرتسر شہر میں پڑ رہے ہیں۔ جموں کو فتح کر لیا گیا ہے۔" لیکن سب کچھ توقعات کے برعکس ہوا۔

پاک فوج کی پہلی رات کی بے مثال کامیابی نے مسٹر بھٹو کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ مسٹر بھٹو کی منزل قریب آ کر

بھی دُور چلی گئی - اگر اسی رفتار سے پاک فوج مشرقی پنجاب میں پیش قدمی کرتی تو بھارت کو یقیناً مشرقی پاکستان سے فوج ہٹانا پڑتی اور اس طرح یحییٰ خان قوم کے ہیرو بن جاتے پھر کوئی یحییٰ خان کو اقتدار سے علیحدہ نہیں کر سکتا تھا - اس طرح کشمیر کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا - لیکن مسٹر بھٹو کے پاس تو اقتدار کا ایک ہی راستہ رہ گیا تھا - وہ یہ کہ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو جائے - بھارت کے قبضہ میں چلا جائے کوئی بھی ایسی صورت پیدا نہ ہو جس سے بھارت سے سودے بازی کا امکان پیدا ہو سکے - پاک فوج مغربی محاذ پر پسپا ہو - یحییٰ خان ناکام ہو جائے اور قوم کی نظر سے گر جائے - نتیجتہً مسٹر بھٹو ہی پھر اقتدار میں آ سکتے تھے -

اس مقصد کے لئے مسٹر بھٹو کا دفاعی صورتِ حال سے آگاہ رہنا نہایت ضروری تھا - چنانچہ اس غرض کے لیے مسٹر بھٹو نے کئی بار حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ " اُسے دفاعی صورتِ حال سے باخبر رکھا جائے - "

جنگ کے لئے فوج کی ہائی کمان مسٹر بھٹو کے ہاتھ میں تھی - جنرل حمید - گل حسن - پیرزادہ اور عمر ہی اس جنگ میں سب کچھ تھے - مسٹر بھٹو کو کسی قسم کی کوئی دِقت نہ تھی - چنانچہ وہی ہوا جو مسٹر بھٹو چاہتے تھے - مغربی محاذ پر فوج کو پیش

قدمی کرنے سے روک دیا گیا۔ بلکہ کئی علاقوں سے پاک فوج کو پسپائی کا حکم دیا گیا۔ پاک فوج کے فتح کئے ہوئے علاقے بھارت کو دے دیئے گئے۔ شکر گڑھ کے علاقے میں جنگ بھارتی علاقے میں لڑی جارہی تھی۔ رات کو اہل شکر گڑھ نہایت اطمینان سے سوئے۔ لیکن جب صبح سو کر اٹھے تو وہ بھارت کے قیدی تھے۔ پاک فوج اپریشن سے حکم پر واپس ہوگئی تھی۔ محاذ پر پاک فوج کے جوان اور افسروں نے بلا جواز واپسی پر سخت اعتراض کیا تھا لیکن انہیں یہ کہہ کر تسلی دے دی گئی کہ "یہ واپسی ایک منصوبہ کے تحت ہوئی ہے۔ یہ ایک فوجی چال ہے۔"

بہت سے محاذ پر صرف دفاعی جنگ لڑنے کا حکم دیا گیا جبکہ پاک فوج آسانی سے دشمن کے بہت سے علاقے پر قبضہ کر سکتی تھی۔ محاذ پر لڑنے والی فوج کو صحیح طریقے سے اسلحہ گولہ بارود نہ پہنچایا گیا بلکہ کئی مقامات پر گولہ بارود بالکل ہی سپلائی نہ کیا گیا۔ بہت سے مقامات پر شہریوں کی طرف سے جمع کئے ہوئے بسکٹوں کے ڈبے۔ صابن۔ تولیے اور دوسرے تحائف تو پہنچا دیئے گئے لیکن اسلحہ اور گولہ بارود نہ پہنچایا گیا۔

کئی مقامات پر موجود انفنٹری کی یونٹ کر آگے بڑھنے

اور فائر کرنے کا حکم دیا گیا لیکن توپ خانہ اور آرمڈ یونٹ کو نہ لڑنے دیا گیا۔ حالانکہ انفنٹری یونٹ ہمیشہ توپ خانہ یا آرمڈ یونٹ کے فائر کے سایہ میں آگے بڑھتی ہے۔ انفنٹری یونٹ کی مدد کے لئے اُسے توپ خانہ یا ٹینک کا فائر کور نہ دیا گیا. نتیجہ یہ ہوا کہ پوری کی پوری یونٹ دشمن کے ہاتھوں تباہ ہو گئی۔

جنگ کا یہ اصول ہوتا ہے کہ محاذ پر تربیت یافتہ فوج کو بھیجا جاتا ہے غیر تربیت یافتہ کو تربیت کے مرکزوں میں پہلے تربیت دی جاتی ہے اور جنگ کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں یحییٰ خان نے ایک خاص حد تک کے عمر کے نوجوان طلبا میں فوجی تربیت لازمی کر دی تھی۔ یہ تربیت غالباً سال میں ایک یا دو ماہ دی جاتی تھی۔ ایک دو ماہ کی تربیت کے بعد ان نوجوانوں کو اپنے گھر بھیج دیا جاتا تھا۔ اس جنگ میں تربیت یافتہ فوج کی بجائے ان غیر تربیت یافتہ یا دو ماہ کے تربیت یافتہ نوجوانوں کو محاذ پر بھیج دیا گیا۔ یہ نوجوان فوج کے مقابلہ میں غیر تربیت یافتہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے بہت سے نوجوان شہید ہو گئے۔ ان کی لاشیں جب واپس گھروں کو بھیجی جاتیں تو عوام میں سخت خوف و ہراس اور یحییٰ خان سے سخت نفرت پھیلتی۔

منصوبے کے تحت بہتر فوج کو نہ لڑایا گیا۔ سیالکوٹ کے

محاذ پر ایک ڈویژن فوج کو فائر کرنے کا حکم نہ ملا۔ ایسا ہی دوسرے مقامات پر ہوا۔ ایک محاذ پر اگر تین یونٹ ہیں تو ایک یونٹ کو فائر کرنے کا حکم ہے دوسری دو یونٹوں کو درختوں کے سایہ میں کیموفلائز ہو کر صرف کھڑے رہنے اور دوسرے حکم کا انتظار کرنے کا حکم تھا۔

خاص مقصد کی خاطر بہترین فوج کو مقابلہ پر نہ لایا گیا۔ پاکستان کے نامہ نانہ اور شہرت یافتہ ——— آرمڈ ڈویژن کو جنگ کے دوران ——— سرحد سے دور کسی جگہ میں رکھا گیا۔ پھر جنگ کے آخری دن سرحد کی جانب کوچ کرنے کا حکم ملا۔ مشہور تھا کہ اس ڈویژن نے اب دشمن کے علاقے میں لگاتار پیش قدمی کرنی ہے لیکن اس آرمڈ ڈویژن کو سرحد پر پہنچنے سے قبل ہی واپس کر دیا۔

پاک فوج کا ہر جوان اور افسر یحیٰی کمان کے عجیب و غریب احکامات پر سخت برانگیختہ تھا لیکن فوج کا دستور ہے جو حکم ملا ہے اس کو مانو اور عمل کرو۔ بیچارے محاذ پر لڑنے والوں کو کیا علم کہ اپریشن روم میں کیا ہو رہا تھا؟ جنرل حمید اور گل حسن کا منصوبہ کیا تھا۔ کیوں ایسے احکامات

دے گئے ؟ فوج کو کیوں پسپا ہونے کا حکم دیا گیا۔ کیوں بہتر فوج کو لڑنے نہ دیا گیا ؟
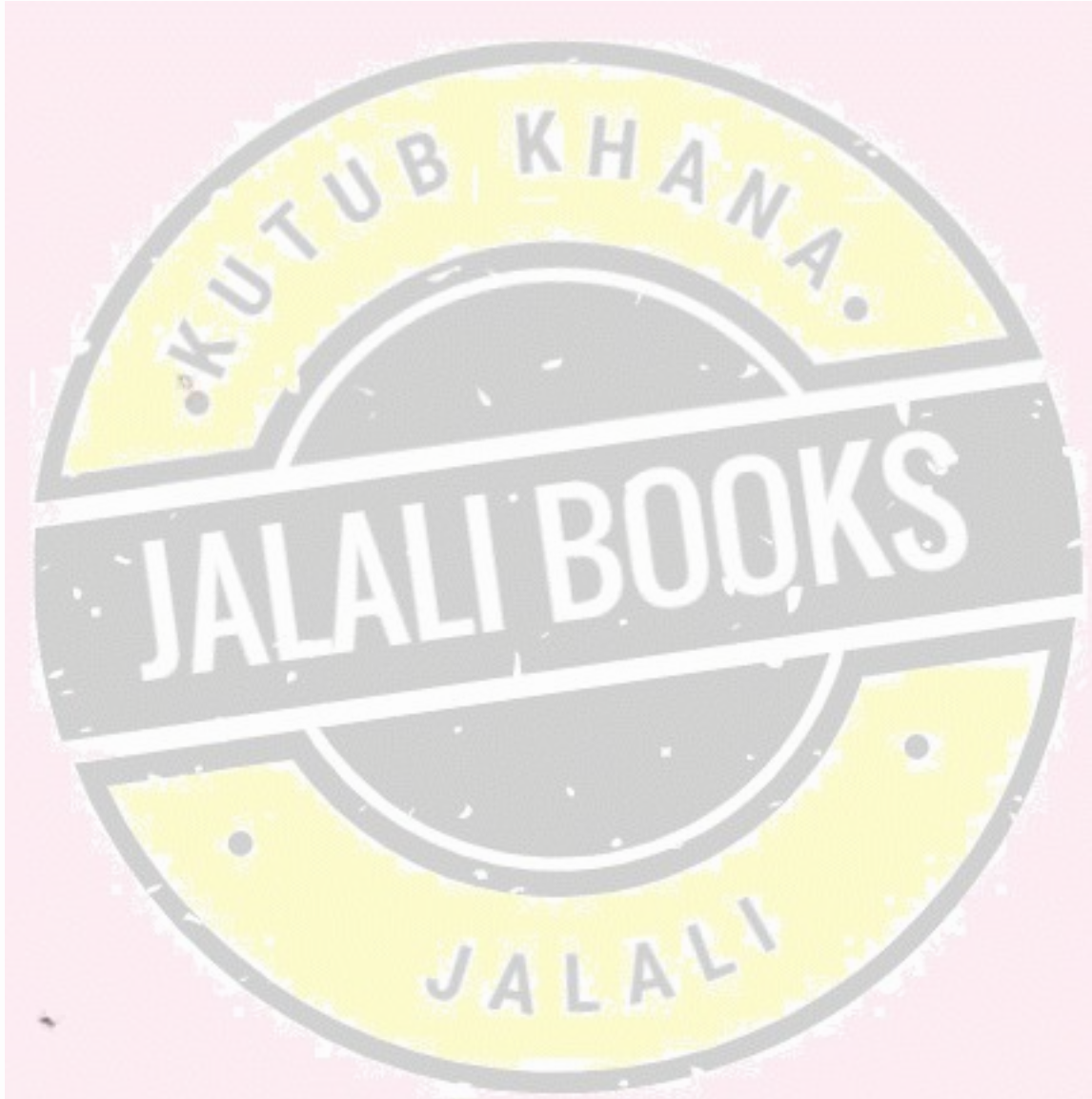
جدید جنگیں فضائیہ کی مدد کے بغیر نہیں لڑی جا سکتیں۔ موجودہ دور میں فضائیہ کو جنگ میں اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے فضائیہ کو بڑی فوج کی مدد کی خاطر دشمنوں کے مورچوں پر بمباری کرنا پڑتی ہے۔ دشمن کی فضائیہ کو کمزور کرنے کی خاطر دشمنوں کے ہوائی اڈوں پہ حملہ کرنے پڑتے ہیں۔ بحریہ کی مدد بھی کرنا پڑتی ہے اور دشمن کے طیاروں سے بھی ٹکر لینا پڑتی ہے۔

۳ دسمبر کی شام کو سورج غروب ہوتے ہی بتیس ۳۲ طیاروں نے پاک بھارت سرحد عبور کر کے چار بھارتی ہوائی اڈوں اور دو ریڈار سٹیشنوں پر حملہ کر کے ان کو سخت نقصان پہنچایا۔ اور پھر صحیح سالم اپنے اڈوں کو واپس آ گئے۔ بھارت

نے جوابی حملہ کیا۔ جنگ کے دوسرے روز بھارت نے پاکستان کے ہوائی اڈوں پر انہتر بار حملے کئے۔ پاکستان کے دعوے کے مطابق ان میں سے گیارہ طیاروں کو گرا لیا گیا۔ چار کو نقصان پہنچایا گیا اور گیارہ طیاروں کو طیارہ شکن توپوں نے گرا لیا۔ ۴ دسمبر کی شام تک بھارت اپنے چوالیس طیاروں سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ یہ بڑی حوصلہ افزا بات تھی۔ لیکن پاک فضائیہ کی کارکردگی کی رفتار اچھ۔ میں بالکل مختلف ہو گئی۔

پاک فضائیہ نے گو اپنے دعوے کے مطابق چودہ روز کی جنگ میں بری لڑائیوں میں نو سو بائیس مہمیں بھیجیں۔ سب سے زیادہ امداد ۴ ار دسمبر کو شکر گڑھ کے محاذ پر بھیجی۔ جہاں صرف ایک روز میں ایک سو چھبیس فضائی مہمیں بھیجیں۔ چودہ روز تک مغربی سرحد پر پاک بھارت میں شدید جنگ رہی۔ لیکن اس چودہ روز میں تمام محاذوں پر فضائی مہموں کی یہ تعداد بہت ہی کم ہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں فضائیہ نے پاک فوج کی بھرپور مدد کی۔ اور پاک فوج کو دشمن سے علاقہ خالی کرانے میں نہایت اہم کردار کیا۔ جنگ میں فضائیہ کے بھارتی اڈوں پر کامیاب حملے بھی برابر جاری رہے۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی حدود میں جب بھی کوئی

بھارتی طیارے داخل ہوتے۔ پاک شاہین فوراً اڑتے اور انہیں جالیتے۔ پہلے ہی روز پاک فضائیہ کے سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم نے سرگودھا کے ہوائی اڈہ پر حملہ کرنے والے بھارتی طیاروں میں سے چھ کو گرالیا تھا جو ایک عالمی ریکارڈ ہے۔ بعد میں بھارتی طیاروں کی پاکستان کے ہوائی اڈوں اور شہروں پر حملے کی جرأت نہ رہی تھی۔ بھارتی فضائیہ کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی تھی۔ لیکن ۱۹۷۱ء کی جنگ میں تو شاید بعد میں پاک شاہینوں کے پَر نوچ لئے گئے تھے۔ بھارتی طیاروں کو پاکستان کی فضائی حدود میں کھلی آزادی تھی۔ وہ اطمینان سے پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے اپنے ٹھکانوں پر تسلی سے بمباری کرتے اور چلے جاتے۔ بعد میں طیارہ شکن توپیں آگ اگلاتیں۔ لاہور اور سرگودھا کے شہریوں نے یہ منظر خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

۱۹۶۵ء کی اور ۱۹۷۱ء کی فضائی جنگ کا موازنہ نہ وہ خود کر سکتے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں راقم الحروف سرگودھا میں ایف ایس سی کا طالب علم تھا۔ پوری جنگ میں سرگودہا رہا۔ فضائی معرکہ اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ پاک فضائیہ کے شاہینوں کو بھارتی طیاروں پر جھپٹتے دیکھا۔ طیارہ شکن توپوں کو بھارتی طیاروں پر آگ اگلتے دیکھا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں لاہور تھا۔ بھارتی طیاروں کو لاہور کی فضا میں اڑتے اور گولیاں برساتے دیکھا۔ لیکن ان

طیاروں پر نہ تو ۱۹۶۵ء کی طرح پاک شاہینوں کو جھپٹتے دیکھا اور نہ ہی طیارہ شکن توپوں کی آواز سنی۔ خطرے کا سائرن بھی اس وقت بجتا جب یہ بھارتی طیارے اپنا کام کرکے روانہ ہو چکے تھے۔ پھر توپیں بھی اپنی کارکردگی دکھاتیں۔ لاہور کے شہریوں نے دونوں جنگوں کے معرکے خود دیکھے ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہوریوں نے چھتوں پر کھڑے ہو کر پاک شاہینوں کو بھارتی طیاروں سے نبرد آزما اور پھر اُسے زیر کرتے دیکھا تھا۔ لاہوریوں نے اس معرکہ کو اس طرح دیکھا جیسے وہ پتنگوں کے پیچ بسنت کے موقعہ پر دیکھا کرتے تھے۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں آخر پاک فضائیہ کو کیا ہو گیا تھا۔

گو پاکستان کے دعوے کے مطابق مغربی پاکستان میں پاکستان نے چھیتر ۷۶ بھارتی طیاروں کو بالکل تباہ کر دیا اور تیرہ کو نقصان پہنچایا۔ لیکن تباہ شدہ ڈھانچوں کی تحقیق امریکہ کے شہرت یافتہ ٹسٹ پائلٹ میجر جنرل چک یگر نے کی تو اُس نے بتیس ۳۲ بھارتی طیاروں کے ڈھانچوں کی تصدیق کی۔

فضائی جنگ بھی خاص منصوبہ کے تحت صحیح طریقہ سے نہ لڑائی گئی۔ پاکستان کے پاس چینی مگ ۱۹۔ امریکی بی۔۵۷۔ ۳۳۔ T۔ چینی لاک ہیڈ سٹار۔ سیبر ۸۶۔ F۔ امریکی ایف ۱۰۴ اور فرانسیسی میراج طیارے تھے۔ لیکن اس جنگ میں بہتر طیاروں

کو مقابلہ پر نہ لایا گیا۔ فرانسیسی میراج طیارے بہت کم جنگ میں استعمال ہوئے۔ زیادہ تر ۸۶-F سیبر اور مگ ۱۹ کو استعمال کیا گیا۔

کئی مقامات پر بھارتی طیارے پاکستان کی حدود میں داخل ہوئے پاک فوج کے جوانوں نے انہیں پہچان لیا لیکن طیارہ شکن توپوں کو ان پر گولے چلانے کی اجازت نہ دی گئی۔

پاک فضائیہ بری فوج کی مدد کو بھی اتنی استعمال نہ ہوئی جتنی ہونی چاہیے تھی جبکہ بھارتی فضائیہ اپنی بری فوج کی برابر مدد کر رہی تھی۔

بحری جنگ بھی فضائیہ اور بری کی طرح لڑی گئی۔ پاک بحریہ کو اس جنگ میں خاصا نقصان ہوا۔ فضائیہ نے بحریہ کی امداد بھی مناسب نہ کی۔

۱۹۷۱ء کی جنگ دنیا میں اپنی نوعیت کی واحد جنگ تھی جس میں فوج کو آگے بڑھنے کی بجائے پسپائی کا حکم دیا گیا۔ فضائیہ کو صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا گیا۔ بلکہ اڈوں پر حملہ کرنے والے بھارتی جہازوں کو مار گرانے کے لئے پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو پرواز تک کا حکم نہ دیا گیا۔ بھارتی جہاز اپنا مشن مکمل کرتے اور چلے جاتے۔ بیچارے پاکستانی ہواباز کیا کرتے انہیں تو کئی بار پرواز کی اجازت نہ دی گئی۔ یہ سب کچھ یحییٰ خان کو

نام کر کے اقتدار سے ہٹانے اور بھٹو کو اقتدار میں لانے کے لئے کیا گیا۔ یہ جنگ دو ملکوں کے درمیان جنگ نہ تھی بلکہ یہ تو اقتدار کی جنگ تھی۔ اس اقتدار کی جنگ میں بے شمار جانیں ضائع ہوئیں۔ بہت سے بچے یتیم ہو گئے۔ بہت سے بھائی اپنی بہنوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ کتنی بوڑھی ماؤں سے ان کی جوان اولاد چھین لی گئی جو آج بھی اپنے نوجوان بیٹوں کی لاش کی صرف ایک جھلک دیکھنے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ کتنی مائیں اپنے بیٹوں کو یاد کر کر کے اگلے جہان کو سدھار گئیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود مسٹر بھٹو اور اس کا فوجی گروپ اپنے مشن پر لگا ہوا تھا۔ اپریشن میں جنرل گل حسن۔ حمید تھا۔ فوج کا استعمال گل حسن کے ہاتھ میں تھا۔ فضائیہ ایر مارشل رحیم خان کے ہاتھ میں اور سیاسی فیصلوں پر جنرل ایس جی ایم پیرزادہ کا کنٹرول تھا۔ یہ سب مسٹر بھٹو کے سنہری جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ بھٹو نے انہیں ذہنی طور پر قابو میں کئے ہوئے تھا۔ انہوں نے بھٹو کی باتوں میں آ کر پورے ملک کو داؤ پر لگایا ہوا تھا۔

جنگ شروع ہونے سے قبل ہی مسٹر بھٹو جانتے تھے کہ جنگ ضرور ہو گی اور جنگ کی صورت میں اقوام متحدہ میں بھی ضرور غور کیا جائے گا۔ مسٹر بھٹو کو معلوم تھا کہ جو شرائط اندرا گاندھی نے جنگ سے پہلے پیش کی تھیں بھارت انہی شرائط پر اقوام متحدہ میں جنگ بندی کے لئے زور دے گا۔ مسٹر بھٹو مشرقی پاکستان کا سیاسی تصفیہ بالکل نہ چاہتے تھے۔ وہ تو اقتدار چاہتے تھے اور اقتدار مشرقی پاکستان سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہی انہیں مل سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے جنرل ساتھیوں کو بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے لئے ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ اب مسٹر بھٹو کو یہ تشویش لاحق تھی کہ کہیں اقوام متحدہ میں موجود پاکستان کا نمائندہ مشرقی پاکستان کا سیاسی تصفیہ قبول نہ کرے۔ اور اس طرح کوئی ایسا

فیصلہ نہ ہو جائے جو ان کے اقتدار کی راہ میں رکاوٹ بن جائے۔
ایسی صورت میں مسٹر بھٹو کا اقوام متحدہ میں نمائندگی کے لئے
موجود ہونا نہایت ضروری تھا۔ مسٹر بھٹو کے لئے صرف اقوام متحدہ
کا محاذ ہی رہ گیا تھا جہاں اس کا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ باقی ہر محاذ
پر اس کا کنٹرول تھا۔

چنانچہ جنگ سے قبل ہی مسٹر بھٹو نے ۲۲ ؍ ۱۱ کو یحییٰ
حکومت پر زور دیا۔

"تمام بڑی طاقتیں برصغیر میں جنگ کے خلاف ہیں لیکن
اگر جنگ ہو گئی تو عوام یہ چاہتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں ان کے موقف
کی نمائندگی وہ خود کریں۔ اس سے قبل بھی وہ سالہا سال تک پاکستان
کا سیاسی موقف سلامتی کونسل میں پیش کرتے رہے ہیں اور اب
بھی تقاضہ یہ ہے کہ سلامتی کونسل میں پاکستان کا موقف بھٹو
پیش کریں۔"

اس نمائندگی کی خاطر مسٹر بھٹو نے مخلوط حکومت میں شمولیت
بھی منظور کر لی۔ اس سے قبل وہ مخلوط حکومت کی تجویز کو مسترد
کر چکے تھے۔

مغربی پاکستان کی سرحد پر جنگ شروع ہوتے ہی اقوام
متحدہ میں پاک بھارت جنگ بند کرنے کے لئے سرگرمیاں
شروع ہو گئی تھیں۔ امریکہ جنگ نہیں چاہتا تھا۔ امریکہ اپنے

اتحادی ملکوں سے مل کر جنگ بند کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ امریکہ برطانیہ جاپان اور چھ دوسرے ممالک کی اپیل پر سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کیا گیا۔ امریکہ نے پہلی قرارداد سلامتی کونسل میں پیش کی جس کے مطابق دونوں ملک جنگ فوراً بند کریں اور دونوں ممالک کی فوجیں پہلی پوزیشن پر چلی جائیں۔ روسی نمائندے نے اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ مشرقی پاکستان کا سیاسی حل تلاش کیا جائے۔ سلامتی کونسل کے گیارہ ارکان نے قرارداد کی حمایت کی۔ فرانس اور برطانیہ نے اپنی رائے نہ دی۔ روس اور پولینڈ نے قرارداد کی مخالفت کی۔ چین نے قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ سلامتی کونسل بھارت کی جارحیت کی مذمت کرے۔ اور اسے پاکستانی علاقے سے غیر مشروط طور پر فوجیں نکالنے کا حکم دے۔ پاکستانی نمائندے مسٹر آغا شاہی نے قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ بھارت نے پاکستان کے ٹکڑے کرنے کے لئے پاکستان پر حملہ کیا ہے۔ امریکی نمائندے نے کہا کہ جب تک جنگ بند نہیں ہوتی مشرقی پاکستان کے مسئلہ کا سیاسی حل ناممکن ہے۔ آخر روس نے حسب معمول قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ روس نے امریکی قرارداد کو ویٹو کر کے خود ایک نئی قرارداد پیش کی۔ جس میں تھا کہ پاک فوج مشرقی پاکستان میں اشتعال انگیز کارروائیاں بند کر دے۔ اٹلی اور بلجیم نے نئی قرارداد پیش

کی جس کے مطابق سلامتی کونسل دونوں ملکوں کو جنگ بندی کا حکم کرے۔

روس نے ۲۴ گھنٹے کے اندر جنگ بندی کے بارے میں دو قرار دادوں کو ویٹو کر دیا تھا۔ اور تیسری قرار داد کو ویٹو کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ ایسے حالات میں جنگ بندی کے بارے میں مزید کاروائی سلامتی کونسل میں ناممکن تھی آخر صومالیہ نے سلامتی کونسل میں قرار داد پیش کی کہ پاک بھارت جنگ کا مسئلہ جنرل اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ سلامتی کونسل نے یہ قرار داد منظور کر لی۔

۶ دسمبر کو جنرل اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ ارجنٹائن نے قرار داد پیش کی جس میں جنگ بند کرنے اور فوجیں واپس ہونے کا مسودہ تھا۔ یہی قرار داد سلامتی کونسل میں پیش ہونا تھی لیکن روس کے ویٹو کے ڈر سے جنرل اسمبلی میں پیش کی گئی جنرل اسمبلی میں قرار داد پر خوب بحث ہوئی۔ امریکی نمائندے نے قرار داد پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ بھارت جنگ کا دائرہ بڑھا رہا ہے۔ چین نے قرار داد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تسلی بخش قرار داد نہیں کیونکہ اس میں حملہ آور ملک اور جس پر حملہ کیا گیا ہے ان کے نام کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔

۷ دسمبر کو قرار داد پر رائے شماری ہوئی۔ ۱۰۴ چار ملکوں نے قرار داد کے حق میں ووٹ دیئے دس ملکوں نے رائے شماری میں حصہ نہیں

لیا۔ جن میں برطانیہ۔ فرانس۔ افغانستان۔ چلی۔ ڈنمارک۔ ملائی۔ نیپال۔ ادمان۔ سنگاپور اور سینی گال شامل تھے۔ مخالفت کرنے والوں میں بھارت۔ روس۔ بھوٹان۔ بلغاریہ۔ بائیلو روس۔ کیوبا۔ چیکوسلواکیہ۔ ہنگری۔ منگولیا۔ پولینڈ اور یوکرین شامل تھے۔ یہ قرارداد اسمبلی نے منظور کر لی۔ اکثریت سے منظوری سے صاف ظاہر تھا کہ پاکستان دنیا میں اکیلا نہیں تھا۔ امریکہ اور اس کے اتحادی پاکستان کی مدد کر رہے تھے اور ہر صورت میں چاہتے تھے کہ جنگ بند ہو جائے۔ مسٹر بھٹو نے بھی ۲۲ نومبر کو بڑے ملکوں کے بارے میں یہی کہا تھا کہ وہ جنگ نہیں چاہتے۔ صاف ظاہر تھا مسٹر بھٹو کا بڑے ملکوں سے باقاعدہ رابطہ تھا۔ بھارت کے ساتھ روس اور اس کا پورا ملک تھا۔ جو سارا زور مشرقی پاکستان کے سیاسی تصفیہ پر دے رہے تھے۔

یحییٰ خاں خود چاہتے تھے کہ مشرقی پاکستان کا سیاسی تصفیہ باعزت طریقے سے ہو جائے کیونکہ مشرقی پاکستان میں حالات دن بدن مخدوش ہوتے جا رہے تھے۔ پاک فوج کے جوان ایک ایک انچ کا دفاع کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر رہے تھے کچھ علاقے پر بھارت کا قبضہ بھی ہو گیا تھا۔ " اگر یہی حالات رہے تو مشرقی پاکستان پر بھارت کا قبضہ ہو جائے گا۔" اس خیال نے یحییٰ خان کو سیاسی تصفیہ کے لئے تیار کر لیا تھا۔ جنگ ہارنے سے بہتر تھا کہ باعزت طور پر سیاسی تصفیہ کر لیا جائے۔ فوجی حکمرانوں کی نظریں مسٹر بھٹو کی طرف

تھیں۔ مسٹر بھٹو ہی یہ کام سرانجام دے سکتے تھے۔ مسٹر بھٹو کے ساتھی جنرلوں نے بھی یحییٰ خان کو یہی مشورہ دیا۔ مسٹر بھٹو کے ۲۲۔ نومبر کے بیان پر فوجی کونسل میں پہلے ہی مسٹر بھٹو کے بارے میں فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ مسٹر بھٹو کو نائب وزیرِ اعظم اور وزیر خارجہ نامزد کر کے اقوام متحدہ میں نمائندگی کے لئے روانہ کیا گیا۔ مسٹر بھٹو خود یہی چاہتے تھے۔ لڑائی کے محاذ پر تو مسٹر بھٹو کی مرضی کے مطابق کارروائی ہو رہی تھی اب مسٹر بھٹو نے اقوام متحدہ کے محاذ پر کنٹرول کرنا تھا۔ مسٹر بھٹو کو مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں خصوصی سمجھایا گیا۔

۸ دسمبر کو مسٹر بھٹو ۸ رکنی وفد لے کر نیویارک روانہ ہو گئے۔ حالات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مسٹر بھٹو فوراً نیویارک پہنچ کر مشرقی پاکستان کو بچانے کی کوئی کارروائی کرتے۔ لیکن مسٹر بھٹو نیویارک کی بجائے افغانستان پہنچے۔ وہاں وقت ضائع کیا۔ ۹ دسمبر کو ایران پہنچے۔ ایرانی حکومت سے بات چیت کی۔ حالانکہ یہ وقت بات چیت کا نہ تھا۔ ۱۰ دسمبر کو مغربی جرمنی پہنچے۔ فرینکفورٹ میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ "پاکستان بڑی طاقتوں سے جنگ لڑ رہا ہے۔ تصفیہ کے لئے بھارت سے مذاکرات کرنے کو تیار ہوں۔ پاکستان ضروری ہوا ایک ہزار سال تک بھی جنگ لڑے گا۔"

آخر مختلف ملکوں کی سیر کرتے ہوئے مسٹر بھٹو ۱۱ دسمبر کو

نیویارک پہنچے۔ آغا شاہی سے حالات دریافت کئے۔ چین اور امریکی نمائندے سے خفیہ مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات کے بارے میں جب ان سے پوچھا گیا تو مسٹر بھٹو نے تبصرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیوں انکار کیا۔ یہ صرف مسٹر بھٹو ہی جانتے ہیں۔

دونوں محاذوں پر شدید جنگ جاری تھی۔ ہر لمحہ صورت حال بگڑتی جارہی تھی۔ یحییٰ خان انتظار میں تھے کہ اب مسٹر بھٹو خوشخبری کا پیغام بھیجتے ہیں۔ لیکن مسٹر بھٹو تو وقت ضائع کر رہے تھے۔ رات کا کھانا شہزادی اشرف پہلوی کے ساتھ کھایا۔ ذاتی نوعیت کی بات چیت کی اور پھر صبح کا انتظار کرنے لگے۔

۱۲ دسمبر کو امریکہ نے سلامتی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا اجلاس ۴ بجے شروع ہوا۔ قریب تھا کہ کوئی فیصلہ ہو جاتا مسٹر بھٹو کی درخواست پر اجلاس ملتوی ہو گیا۔ اجلاس پھر شروع ہوا پھر روس کی درخواست پر ملتوی ہو گیا۔

اجلاس دوبارہ شروع ہوا۔ امریکی نمائندے نے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میں یہ نہیں پسند کروں گا کہ اجلاس پھر ملتوی ہو اور دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ ہم کارروائی کرنے کے اہل نہیں۔ جبکہ ہماری کوششوں سے انسانی جانوں کے نقصان میں کمی ہو سکتی ہے۔"

امریکی نمائندے نے سچ کہا تھا۔ ہر لمحہ دونوں طرف سے سینکڑوں

جانیں ضائع ہو رہی تھیں۔ مشرقی پاکستان میں بھارت کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔ بہت سے علاقے بھارت کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ ڈھاکہ کے گردونواح میں بھارت نے چھاتہ فوج اتار دی تھی۔ بھارت مشرقی پاکستان میں حصار کا دائرہ تنگ کرتا جا رہا تھا۔ مشرقی پاکستان صرف مہمان ہی نظر آتا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر یحییٰ خان نے مسٹر بھٹو کو اقوام متحدہ میں پیغام بھیجے کہ فوراً سیاسی تصفیہ ہی قبول کر لو۔ مشرقی پاکستان جا رہا ہے۔ صورت حال بہت نازک ہے۔"
لیکن مسٹر بھٹو تو اقوام متحدہ میں آئے ہی اسی واسطے تھے۔ کہ "مشرقی پاکستان کا کوئی سیاسی سمجھوتہ نہ ہو جائے۔" مسٹر بھٹو نے یحییٰ خاں کی کسی ہدایت پر عمل نہ کیا۔ اور اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے۔ مسٹر بھٹو نے یحییٰ خان کے پیغام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ وہ وقت گزار رہے تھے تاکہ اس دوران بھارت مشرقی پاکستان پر مکمل قبضہ کر لے۔

۱۴ دسمبر کو پھر سلامتی کونسل کا اجلاس ہوا۔ امریکہ نے جنگ بندی کے بارے میں تیسری قرارداد پیش کی۔ لیکن روس نے امریکی قرارداد کو پھر ویٹو کر دیا۔ یہ روس کا امریکی قرارداد کو تیسری بار ویٹو تھا۔

اٹلی اور جاپان نے نئی قرارداد پیش کی جس میں سہ رکنی کمیٹی کا قیام جنگ بندی اور سیاسی تصفیہ کے لئے مذاکرات کرنے کا مسودہ

شامل تھا۔ لیکن یہ قرار داد مسٹر بھٹو نے مسترد کر دی۔ یہ قرار داد بہت نازک موقعہ پر مسترد کی تھی۔ مشرقی پاکستان میں بھارتی چھاتہ فوج نے صوبہ کی اہم سڑکوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ تمام سیکٹروں میں پاک فوج اپنے مشرقی ہیڈ کوارٹر سے کٹ چکی تھی سرحد سے بھی بھارتی دباؤ بڑھ رہا تھا۔ چاٹگام کی بندرگاہ بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ ہوائی اڈے بھی بھارت نے نیست و نابود کر دیئے تھے۔ فضائیہ ختم ہو گئی تھی۔ بھارتی ریڈیو سے بار بار پاک فوج کو ہتھیار ڈالنے کا کہا جا رہا تھا۔ یحییٰ خان بھی صورتِ حال سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے نیویارک میں مسٹر بھٹو کو پیغام بھجوائے کہ "فوراً سیاسی تصفیہ ہی کو تسلیم کر لیا جائے" مشرقی پاکستان بھارت کے قبضہ میں جانے والا تھا۔ یحییٰ خان بار بار مسٹر بھٹو سے صورتِ حال بتا چکے تھے اور انہیں اقوام متحدہ کے ذریعے مناسب حل تسلیم کرنے کا مشورہ دے چکے تھے۔ بھارت کا مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے اور پاک فوج کا ہتھیار ڈالنے سے سیاسی تصفیہ کئی درجے بہتر تھا۔ اس طرح پاکستان شکست کی ہزیمت سے بچ سکتا تھا۔ اس کی کئی ہزار فوج بھی قید ہونے سے بچ سکتی تھی۔ ہتھیار ڈالنے کا بدنما داغ بھی پاکستان کے ماتھے پر نہ لگتا۔ لیکن مسٹر بھٹو تو پاکستان کو شکست ہی سے دوچار کرنا چاہتے تھے۔ مسٹر بھٹو نے یحییٰ خان اور پاکستان کی کوئی پرواہ نہ کی۔

۱۵ دسمبر کو سلامتی کونسل کا پھر اجلاس ہوا۔ جو کئی گھنٹے جاری

رہا۔ روس اور پولینڈ نے قرارداد پیش کی جس میں پاک بھارت سے مشرقی پاکستان کا سیاسی سمجھوتہ کرانے اور جنگ بند کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ یہ اُس وقت کے حالات کے مطابق بہترین قرارداد تھی۔ جو بھارت کے سرپرست روس نے پولینڈ کے ساتھ مل کر پیش کی تھی۔ مسٹر بھٹو چاہتے تو یہ قرارداد بغیر مخالفت کے منظور ہو جاتی اور اس قرارداد پر عمل بھی فوراً ہوتا۔ جنگ بند ہو جاتی۔ دونوں ملکوں کی فوجیں مشرقی پاکستان سے نکل جائیں۔ مشرقی پاکستان کے مسئلہ پر مذاکرات ہوتے۔ پاک فوج کو ہتھیار بھی نہ ڈالنے پڑتے پاک فوج قید ہونے کی بجائے باعزت مغربی پاکستان میں واپس آجاتی۔ سیاسی تصفیہ کچھ نہ کچھ تو ہوتا۔ لیکن اس طرح مسٹر بھٹو کو بہت نقصان تھا۔ یحییٰ خان کیا معلوم حکومت مسٹر بھٹو کے حوالے کرتے یا نہ کرتے۔ یہ ایک بہت بڑا رسک RISK تھا جو مسٹر بھٹو نہیں لینا چاہتے تھے۔ اب مسٹر بھٹو کی منزل تو نہایت قریب تھی۔ یحییٰ خان کی شکست کے بعد اقتدار مسٹر بھٹو کی جیب میں تھا۔ اقتدار ہی مسٹر بھٹو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ مسٹر بھٹو نے سلامتی کونسل سے آخری بار خطاب کیا جو حقیقت میں پاکستان کی شکست قبول کرنے کے مترادف تھا۔ مسٹر بھٹو نے کہا۔ " اقوام متحدہ محض فراڈ ہے۔ میں ہتھیار ڈالنے کی کارروائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔ میں وطن واپس جاؤں گا اور جنگ کروں گا۔ میں

نے میدان میں کبھی پیٹھ نہیں دکھائی۔ لیکن میں سلامتی کونسل میں بھٹہرنا اپنی اور ملک کی توہین سمجھتا ہوں۔ میں شکست خوردہ پاکستان کی بجائے تباہ شدہ پاکستان میں جانا پسند کروں گا۔ میں شکست میں فریق نہیں بنوں گا۔ میں جارہا ہوں۔ یہ رہی تمہاری دستاویز......"

دستاویز پھاڑ کر پھینک دی۔ اور واک آؤٹ کر گئے۔

اس تقریر کے ہر لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ مسٹر بھٹو کو حالات کا بخوبی علم تھا۔ مسٹر بھٹو کو یہ بھی علم تھا کہ اب پاکستان کے پاس مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ۱۳ دسمبر ہی کو اس قسم کی اطلاع نیویارک پہنچ گئی تھی۔ جسے امریکہ نے ۱۵ دسمبر کو بھارت پہنچا دیا۔ حالات سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے بھی مسٹر بھٹو پاکستان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ آخری تقریر میں پاکستان کی نمائندگی کم تھی اور اپنی تعریف زیادہ تھی نمائندگی میں اپنی تعریف کا کیا مطلب تھا؟ مسٹر بھٹو نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کی خاطر حالات کے مطابق سیاسی سمجھوتہ کی آخری کوشش کو بھی ناکام بنا دیا۔

یحییٰ خان کو مسٹر بھٹو کے کردار پر سخت حیرانی اور غصہ تھا۔ یحییٰ خان نے مسٹر بھٹو کے وطن دشمنی کے کردار کی وجہ سے نیویارک سے واپسی پر انہیں گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن مسٹر بھٹو کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ یحییٰ خان کے فیصلہ کا علم تھا۔ مسٹر بھٹو کا گل حسن اور ایئر مارشل رحیم سے باقاعدہ رابطہ تھا۔

مسٹر بھٹو نے سلامتی کونسل سے آخری خطاب میں کہا تھا کہ "میں وطن واپس جاؤں گا اور جنگ کروں گا۔ میں نے میدان میں کبھی پیٹھ نہیں دکھائی ......" لیکن مسٹر بھٹو پاکستان آنے کی بجائے نیویارک میں ہی رہے جنگ تو پاک فوج لڑ رہی تھی۔ مشکلات کے باوجود مشرقی پاکستان میں پاک فوج دشمن کا ہر صورت میں مقابلہ کر رہی تھی۔ پاک فوج بالکل تنہا رہ گئی تھی۔ جی ایچ کیو سے صرف فنی آلات کے ذریعے ہی رابطہ تھا۔ جنرل اے اے کے نیازی ہائی کمان کو صورتِ حال کی نزاکت کے بارے میں واضح بتا چکے تھے۔

اقوام متحدہ میں ناکامی کے بعد جی ایچ کیو سے جنرل نیازی کو بھارت کی شرائط پر جنگ بندی کا حکم مل چکا تھا۔ لیکن جنگ

جاری رہی۔ آخر دوسری بار جنرل نیازی کو مغربی پاکستان سے آخری پیغام ملا۔ جس میں پاک فوج کی جوانمردی اور فرائض ادا کرنے کی تعریف کی گئی تھی۔ اور حالات کے تحت جنگ بند کرنے کو کہا گیا تھا۔ پاکستان نے اپنے فیصلہ سے بھارت کو بھی مطلع کر دیا تھا۔

آخر ۱۶ دسمبر کو مشرقی پاکستان میں جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا۔ پاکستان ریڈیو نے اپنی خبروں میں کہا کہ "بھارتی فوجیں ایک سمجھوتہ کے تحت مشرقی پاکستان میں داخل ہو گئی ہیں اور جنگ بند ہو گئی......"

جنرل نیازی نے ہائی کمان کے فیصلہ سے دوسرے سیکٹر کمانڈروں کو مطلع کیا۔ لیکن کئی سیکٹروں میں جنگ جاری رہی۔ کئی مقامات پر پاک فوج نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ہائی کمان کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ اور ڈٹ کر بھارتی جارحیت کا مقابلہ کرتی رہی۔ رائٹر کی اطلاع کے مطابق "بھارتی فوج صرف ڈھاکہ اور کھلنا میں ابھی قبضہ کرنے میں کامیاب ہوئی ہے باقی تمام سیکٹروں میں جنگ جاری ہے۔ کھلنا میں فوج نے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ تمام جوان وطن کی آن پر قربان ہو گئے۔ پاک فوج نے بھارتی قبضہ سے قبل کاغذ کے کارخانے۔ گودام اور پٹ سن کے تمام ذخیروں کو ڈائنا مائٹ کے ذریعے آگ لگا دی۔"

ہتھیار ڈالنے کی تقریب کے لئے باقاعدہ جنرل اروڑہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ڈھاکہ پہنچے جہاں جنرل اے اے کے نیازی نے اُن کا استقبال کیا۔ پھر دونوں ریس کورس کے میدان میں آ گئے۔ جہاں جنرل نیازی نے ڈوبے دل اور کانپتے ہاتھوں سے اور جنرل اروڑہ نے فاتحانہ انداز میں دستاویز پر دستخط کئے۔ پھر جنرل نیازی نے اپنا ریوالور اور بیٹی اتار کر جنرل اروڑہ کے حوالے کر دی۔

دستاویز کا مضمون یوں تھا:۔

"پاکستان کی مشرقی کمان رضامند ہے کہ مشرقی میدانِ جنگ میں بھارتی اور بنگلہ دیشی افواج کے جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف جنرل جگ جیت سنگھ اروڑہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو تیار ہے۔ اس ہتھیار ڈالنے والی فوج میں پاکستان کی تمام زمینی۔ فضائی بحری فوج۔ مسلح تنظیمیں اور سول فوج شامل ہیں۔ یہ افواج جائے تعین سے قریب ترین جنرل اروڑہ کے ماتحت فوج کے سامنے ہتھیار رکھیں گی۔ پاکستان کی مشرقی کمان اس دستاویز پر دستخط ہوتے ہی لفٹنٹ جنرل جگ جیت سنگھ اروڑہ کے تحت آ جائے گی۔ اور تسلیم شدہ جنگی روایات اور قوانین کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔ ہتھیار ڈالنے کی شرائط میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہونے کی صورت میں جنرل اروڑہ کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

لفٹننٹ جنرل اروڑہ حلفی یقین دلاتے ہیں کہ جو لوگ ہتھیار ڈالیں گے ان سے باوقار باعزت اور جنیوا کنونشن کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ جنرل اروڑہ ہتھیار ڈالنے والی تمام پاکستانی فوج اور مسلح تنظیموں کے ارکان کے تحفظ اور امان کی ضمانت دیتے ہیں۔ غیر ملکی باشندوں۔ اقلیتوں اور مغربی پاکستانیوں کو لفٹننٹ جنرل جگ جیت سنگھ اروڑہ کی ماتحت فوجیں تحفظ دیں گی۔"

دستخط	دستخط
جگ جیت سنگھ اروڑہ	امیر عبداللہ خاں نیازی
لفٹننٹ جنرل	لفٹننٹ جنرل
جنرل آفیسر کمانڈنگ انچیف	مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی و کمانڈر
انڈین و بنگلہ دیشی افواج	مشرقی کمان (پاکستان)
مشرقی تھیٹر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء	۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء

سقوطِ ڈھاکہ خبر ملتے ہی پورا مغربی پاکستان یاس و غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔ ایسا کوئی محب وطن نہ تھا جس کی آنکھ سے آنسو نہ ٹپکا ہو۔ لوگوں کو بندہ نے دھاڑیں مار کر روتے دیکھا۔ میں خود بھی اپنی چارپائی پر لیٹ کر پاک فوج کی شکست پر رو دیا۔ پورے ملک میں سوگ کی سی کیفیت تھی۔ پہلی بار اسلام کی فوج کو شکست ہوئی تھی۔

مغربی محاذ پر جنگ میں تیزی آ چکی تھی ۔ یحییٰ خان نے قوم سے خطاب کیا جس کا ہر لفظ ایثار میں ڈوبا ہوا تھا یحییٰ خان نے فرمایا :

" .... مشرقی پاکستان میں ہماری مسلح افواج نے سخت ترین دشواریوں کے باوجود جس دلیری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا ہے ان کی جرأت اور شجاعت کے یہ کارنامے ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے ..... یہ دشمن جس کے پاس کثیر اسلحہ تھا اور جسے ایک عظیم طاقت کی پشت پناہی بھی حاصل تھی ان ہی اسباب کی بنا پر ہم پر حاوی ہو گیا ۔ لیکن اتنی بڑی جنگ میں کسی ایک محاذ پر وقتی طور پر پیچھے ہٹنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے ۔ اس جنگ میں جو ہماری بقا کی جنگ ہے ۔ آخری فتح ہماری ہو گی ...... اپنے تمام دوستوں سے ہماری یہی گزارش ہے کہ وہ آئندہ بھی ہمارا ساتھ دیں ۔ اور یقین رکھیں کہ پاکستان اور اس کے عوام اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ دشمن کو اپنی سرحدوں سے نکال باہر نہیں کر دیں گے ۔ اور حق و انصاف کا بول بالا نہیں ہو جاتا ۔ ہم دشمن کا ہر محاذ پر مقابلہ کرتے ہوئے ملک میں نمائندہ حکومت کے قیام کی کوشش بھی بدستور جاری رکھیں گے ۔

" میرے عزیز ہم وطنو ۔ اپنے مقصد کی سچائی پر یقین محکم اور اللہ کی بخشی ہوئی ایمانی قوت سے ہم نظم و ضبط اور

عزم و ہمت سے اپنی جد و جہد جاری رکھیں گے۔ یہ جنگ ایسی ہے جو دوسرے دو محاذوں پر ہی نہیں بلکہ کھیتوں، کارخانوں اور گھروں میں لڑی جائے گی۔ ہم اللہ کے پاک نام پر جہاد کر رہے ہیں.......... فتح انشاء اللہ ہماری ہو گی۔"
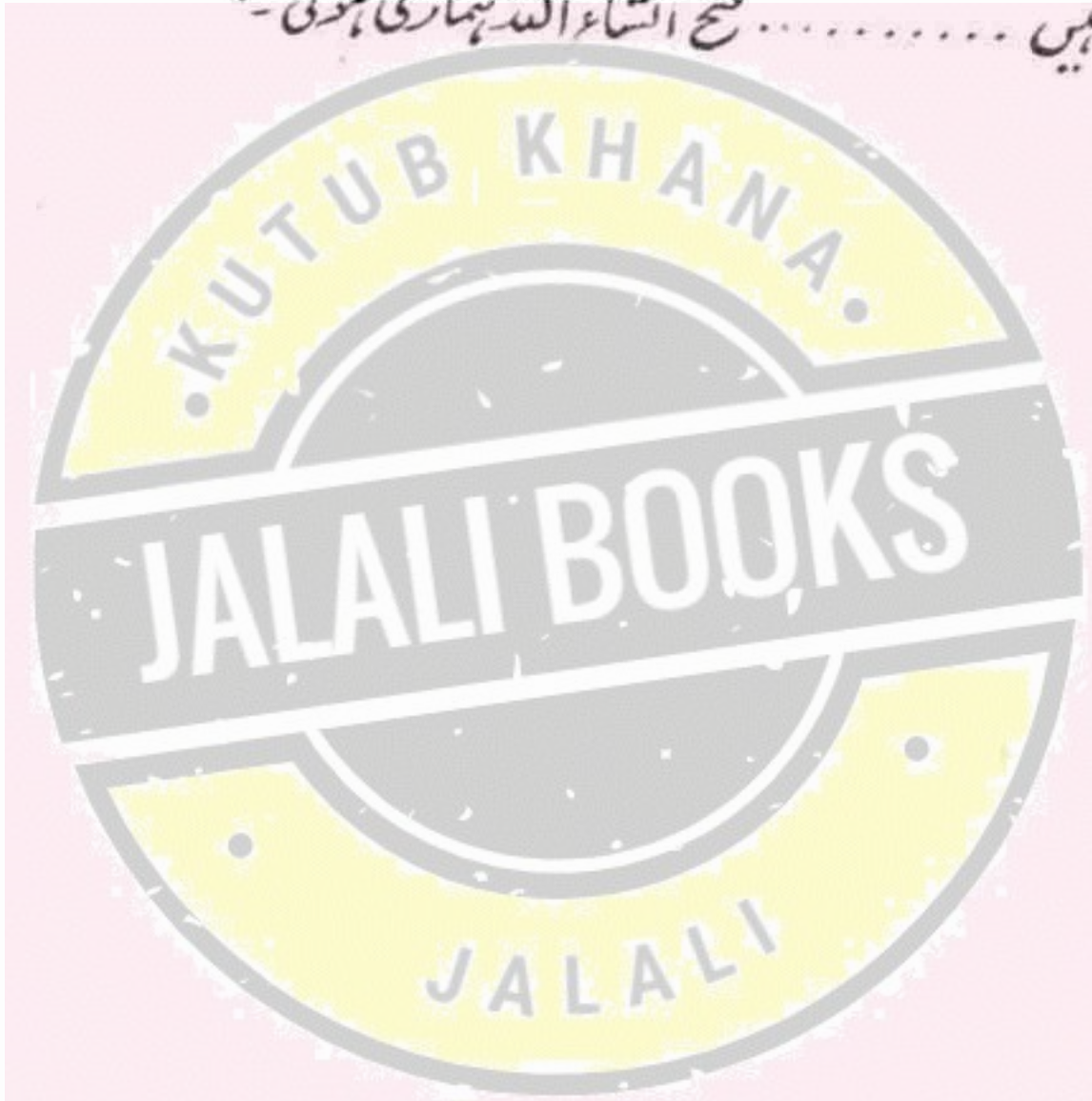
یحییٰ خان کی تقریر سے غم سے نڈھال پاکستانیوں کی کچھ ڈھارس بندھی۔ یحییٰ خان جنگ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ فرسٹ آرمڈ ڈویژن کو بھی پیش قدمی کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن بھٹو کے حامی جنرل جنگ بالکل نہیں چاہتے تھے۔

بھارت بھی ریڈیو سے بار بار جنگ بندی قبول کرنے کو کہہ رہا تھا۔ ادھر نیو یارک میں بیٹھ کر پاکستان کا تماشا دیکھنے والے بھٹو نے بھی نیو یارک ٹائمز سے انٹرویو میں ۱۷ دسمبر کو کہا۔ "ہمیں اب فائر بندی قبول کر لینی چاہیئے۔ حکومت پاکستان کو باغیوں اور بھارت دونوں کے ساتھ مستقل تصفیہ پر تیار ہو جانا چاہیئے۔ پاکستان میں اب تک فوجی حکومت رہی ہے۔ اب سول حکومت بن جانی چاہیئے میں عنقریب وطن واپس جاؤں گا اور

بنگالیوں سے بات چیت کے علاوہ بڑے پیمانہ پر ہر شعبے میں وسیع اصلاحات کے لئے زمین ہموار کروں گا۔ جنگ جاری رکھنا دیوانگی ہوگی۔ کیونکہ ہمارے ملک کا کوئی مسئلہ جنگ سے حل نہیں ہو سکتا۔ میری رائے ہے کہ فائر بندی قبول کر لی جائے۔"

مسٹر بھٹو نے پینترا بدل لیا تھا۔ اس سے قبل تصفیہ کی ہر کوشش کو مسٹر بھٹو نے ناکام بنا دیا تھا۔ ۲۲ نومبر کو مشرقی پاکستان پر بھرپور حملہ سے قبل بھی اندرا نے مجیب کو رہا کرنے، ضمنی انتخاب کالعدم قرار دینے اور باغیوں سے سمجھوتہ کرنے کی شرائط تصفیہ کے لئے پیش کی تھیں۔ لیکن اس تصفیہ کی راہ میں مسٹر بھٹو اور اس کے حامی جنرل رکاوٹ ثابت ہوئے۔ اب پھر اقوام متحدہ میں سیاسی تصفیہ کی کوشش ہوئی لیکن وہ تمام کوشش بھی مسٹر بھٹو کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ اور اب سقوطِ ڈھاکہ کے بعد مسٹر بھٹو حکومتِ پاکستان کو مشورہ دے رہے تھے کہ وہ باغیوں اور بھارت کے ساتھ مستقل سیاسی تصفیہ کے لئے تیار ہو جائے۔ نیز سقوطِ ڈھاکہ سے قبل وہ جنگ کی باتیں کرتے تھے۔ ایک ہزار سال تک لڑنے کا اعلان کر چکے۔ وطن واپس جا کر جنگ لڑنے کا کہہ چکے تھے لیکن اب وہ جنگ کرنا دیوانگی کہہ رہے تھے اور اب ان کے نزدیک جنگ سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا تھا اور اب وہ پاکستان کو فائر بندی قبول کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔

بھارت بھی ریڈیو پر اعلان کر رہا تھا کہ پاکستان جنگ بند کر دے اور اب دونوں ملک صلح و بات چیت کے ذریعے اپنے مسائل حل کریں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بھارت اور بھٹو دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس لئے جنگ بند ہونا لازمی تھی۔ جنگ جاری رکھنے سے دونوں کے مقاصد کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

ایوانِ صدر پاکستان میں اعلیٰ سطح کا اجلاس جاری تھا۔ یحییٰ خان کی صدارت تھی۔ ہائی کمان کے دوسرے جنرل بھی موجود تھے۔ اجلاس بڑی دیر سے جاری تھا مشرقی پاکستان کے سقوط کا مسئلہ زیرِ غور تھا۔ یحییٰ خان پر کئی جنرل برس پڑے تھے۔ یحییٰ خان ایک دو بار غصّہ میں بول کر چپ ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ یحییٰ خان کے اقتدار کے دن پورے ہو گئے تھے۔ کوئی بھی جنرل یحییٰ خان کو برسرِ اقتدار رکھنے پر تیار نہ تھا۔ بھٹو کے حامی جنرل اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان جنرلوں کی وجہ سے یحییٰ خان ناکام ہو گئے تھے اور یہی ناکامی ان کے اقتدار سے ہٹانے کا جواز بن گئی تھی۔ صلاح مشورے ہوئے مگر ان میں دو گروپ بن گئے تھے۔ ایک گروپ فوج کا حامی تھا۔ یہ گروپ چاہتا تھا کہ یحییٰ خان کے بعد کسی دوسرے جنرل کو اقتدار سونپ دیا جائے۔ ایسے حالات میں سول حکومت مناسب نہیں لیکن

دوسرا گروپ جس میں جنرل گل حسن اور ان کے دوسرے ساتھی شامل تھے چاہتا تھا کہ فوجی حکومت کی بجائے سول حکومت کو اقتدار دیا جائے ۔ عوام بھی یہی چاہتے ہیں ۔ دونوں گروپ میں تلخ کلامی بھی ہو گئی تھی ۔ دونوں گروپ دھمکیوں پر اُتر آئے تھے بالکل خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو گئی تھی ۔ ایر مارشل رحیم خان نے اس موقعہ پر دھمکی دی کہ "اگر اقتدار مسٹر بھٹو کے حوالے نہ کیا گیا تو ایوانِ صدر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی ۔" یہ خالی دھمکی نہ تھی ۔ ایر مارشل رحیم خان کے حکم سے میراج طیاروں نے ایوانِ صدر کے اوپر سے اس وقت پرواز کی جب اقتدار کے لئے جرنیلوں میں آپس میں جھگڑا ہو رہا تھا ۔ یہ طیارے جنگ کے لئے تھے لیکن ان کو جنگ میں استعمال کرنے کی بجائے بھٹو کے اقتدار کے لئے استعمال کیا گیا ۔ ان طیاروں کی پرواز کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا ۔ فوج کے حامی جنرل ڈر گئے ۔ خانہ جنگی جنگ سے بھی بدتر چیز ہے ۔ بھٹو کے ساتھ فضائیہ بھی تھی ۔ آخر انہوں نے اقتدار بھٹو کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔ ساتھ ہی جنگ بندی کا فیصلہ بھی کیا گیا ۔

یحییٰ خان اور فوج کے حامی جرنیلوں کو قابو کر لیا گیا ۔ جنگ بندی کا اعلان یحییٰ خان نے نہیں بلکہ اناؤنسر نے یحییٰ خان سے منسوب کر کے پڑھا ۔ جس کے الفاظ مندرجہ ذیل تھے :-

"میں نے بھارت کی پیش کش قبول کر لی ہے اور اپنی فوجوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جمعہ کے روز شام کے ساڑھے سات بجے سے فائر بندی کر دیں۔ میں نے یہ حکم امن عامہ کی خاطر دیا ہے۔ میں ہمیشہ یہ کہتا رہا ہوں کہ جنگ سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اور پاکستان اور بھارت کو تمام متنازعہ مسائل حل کرنے کے لئے آپس میں بات چیت کرنی چاہیئے۔ اس موقف کی حمایت میں میں نے دوست ملکوں اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کی طرف سے پیش کی جانے والی تجویزیں منظور کر لی تھیں جن سے پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ کا خطرہ ٹل سکتا تھا..... اب بھارت نے مغربی محاذ پر فائر بندی کی پیش کش کی ہے پاکستان پہلے ہی فائر بندی کا اور دوسرے متعلقہ اقدامات کا پابند ہے جن کی ذمہ داری وہ جنرل اسمبلی کی قرارداد کو منظور کر کے قبول کر چکا ہے۔ اور قرارداد کے دائرے میں وہ تعاون روائے کے لئے تیار ہے۔ اگر بھارت فائر بندی کے متعلق اپنے اعلان میں مخلص ہے تو اقوام متحدہ کے ذریعے اسے باقاعدہ شکل دینی چاہیئے۔ اپنے سابقہ موقف کے مطابق اور امن کی خاطر میں نے اپنی فوجوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مغربی پاکستان کے وقت کے مطابق شام کے ساڑھے سات بجے فائر بندی کر دیں۔"

مغربی پاکستان کے تمام محاذوں پر فائر بندی ہو گئی۔

مسٹر بھٹو کو بھی خوشخبری سُنادی گئی۔ مسٹر بھٹو کا جرنیلوں سے باقاعدہ رابطہ تھا۔ اس سے قبل متضاد خبر بھٹو کو ملی تھی۔

بھٹو قرار داد پھاڑنے کے بعد نیویارک ہی میں رہے تھے۔ ہر لمحہ کی اطلاع انہیں تھی۔ اُن کے کان پاکستان کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ۱۷ دسمبر کو نیویارک ٹائمز کو انٹرویو دیا۔ ۱۸ دسمبر کو نیویارک میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم مشرقی پاکستان کے رہنماؤں سے بات چیت کرنے کو تیار ہیں۔" ۱۹ دسمبر کو واشنگٹن گئے اور وہاں ۲۵ منٹ تک صدر نکسن سے ملاقات کی۔ اس کے بعد پینتالیس منٹ تک ولیم راجرز سے مذاکرات کیے۔ جو خفیہ ہی رہے۔ پھر لندن پہنچے۔ لندن میں اخبار نویسوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ پاکستان کی صورت حال کے بارے میں جواب دیا کہ "وطن سے متضاد خبریں ملی ہیں۔ وطن جا کر صحیح صورت حال کا علم ہوگا۔"

ادھر پاکستان کے ریڈیو نے یہ اعلان کیا:

"صدر یحییٰ خان نے بھٹو کے نام ایک پیغام بھیجا ہے جس میں انہیں جلد واپس آنے کی تاکید ہے۔ بھٹو صاحب کے وطن واپس آتے ہی نئے آئین کے تحت اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔"

لیکن مسٹر بھٹو وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ مسٹر بھٹو یقین کی

صورت میں ہی پاکستان واپس آنا چاہتے تھے ورنہ ان کی زندگی خود خطرے میں پڑ جاتی - اسی وجہ سے وہ وقت گزار رہے تھے -

لندن سے روم پہنچے - جہاں مسٹر بھٹو کے دوست اور محسن ایر مارشل رحیم خاں خصوصی طیارہ لے کر خود پہنچ گئے - دونوں گلے ملے - کامیابی پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی اور پھر دونوں پاکستان فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے - جہاں اقتدار مسٹر بھٹو کا انتظار کر رہا تھا -

۲۰ ردسمبر ۱۹۷۱ء کو ایوان صدر میں مسٹر بھٹو نے اپنے جنرلوں کی مدد سے تمام اختیارات یحییٰ خان سے یعنی صدارت اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے سنبھال لئے - حلف یحییٰ خان نے لیا - حالانکہ اعلان میں کہا گیا تھا کہ نئے آئین کے تحت اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے گا - اس سے قبل جب مجیب کو مارچ دستور ساز اسمبلی بلانے سے قبل اقتدار حوالے کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تو مسٹر بھٹو نے اس کو غیر قانونی قرار دیا تھا اور اس پر سخت اعتراض کئے تھے - مسٹر بھٹو کے اعتراض کی وجہ سے مارچ میں سیاسی تصفیہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا اور پھر مشرقی پاکستان ملٹری اپریشن کرنا پڑا تھا - آج مسٹر بھٹو کو اسمبلی بلانے سے قبل وہی اقتدار سونپا گیا تھا - دنیا کی تاریخ میں ایک سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن گیا تھا - یہ دنیا کے ہر قانون کے خلاف بات تھی - مسٹر بھٹو آج اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تھے -

مسٹر بھٹو کو انتقال اقتدار کی تقریب نہایت سادہ تھی۔ مسٹر بھٹو ۲۰ دسمبر کو ۱۱ بج کر پندرہ منٹ پر پی آئی اے کے طیارہ سے کراچی سے راولپنڈی پہنچے۔ ایر پورٹ پر پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور عہدہ داروں نے اُن کا استقبال کیا۔ وہ ایر پورٹ سے سیدھے ایوانِ صدر پہنچے جہاں اُن کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ ایوان صدر میں بند کمرے میں یحییٰ خان سے دو گھنٹہ تنہائی میں بات چیت کی۔ غالباً کچھ آپس میں وعدے وعید ہوئے۔ دو گھنٹے بعد یحییٰ خان باہر نکلے اُن کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمایاں تھے جسے وہ پھیکی مسکراہٹ میں چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یحییٰ خان کے پیچھے مسٹر بھٹو تھے۔ مفتوح آگے اور فاتح پیچھے تھا۔ دونوں تقریب کی جگہ پر آگئے جہاں دونوں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کیبنٹ سیکرٹری مسٹر غلام

اسحاق خان نے پہلے سے تیار شدہ انتقال اقتدار کی دستاویز کرسیوں کے آگے پڑی ہوئی میز پر رکھی۔ پہلے مسٹر بھٹو نے اس پر دستخط کیے۔

جب مسٹر بھٹو دستخط کر رہے تھے تو یحییٰ خان بڑی حسرت سے مسٹر بھٹو کو دستخط کرتا دیکھ رہے تھے۔ پھر یحییٰ خان نے اپنے آخری دستخط کیے۔ دستخط کرنے کے بعد یحییٰ خان اور بھٹو نے مصافحہ کیا۔ جے اے رحیم اور کھر بھی موجود تھے انہوں نے مسٹر بھٹو کو مبارکباد دی اور بھٹو سے مصافحہ کیا۔

اس تقریب کے بعد مسٹر بھٹو ایوانِ صدر سے نکلے۔ اُن کی کار پر پاکستان کا پرچم لگا ہوا تھا۔ اب وہ سربراہِ مملکت تھے۔ وہ سیدھے پنجاب ہاؤس پہنچے جہاں پر موجود ہجوم نے مسٹر بھٹو کا تالیاں بجاکر استقبال کیا۔ مسٹر بھٹو نہایت خوش نظر آرہے تھے۔ پنجاب ہاؤس میں سب سے پہلے جنرل گل حسن نے مسٹر بھٹو سے ملاقات کی۔ مسٹر بھٹو نے جنرل گل حسن کا شکریہ ادا کیا۔ باتیں ہوئیں مشورہ ہوئے اور پھر گل حسن بری فوج کے کمانڈر انچیف بن کر جی ایچ کیو چلے گئے۔ یہ ان کی محنت کا معاوضہ تھا جو انہوں نے مسٹر بھٹو کو اقتدار میں لانے کے لئے کی تھی۔

گل حسن کے بعد ان کے دوست ایر مارشل رحیم خان پنجاب ہاؤس پہنچے تو نتائج سے بے خبر ہجوم نے اُن کا تالیاں بجاکر استقبال

کیا۔ اور پاک فضائیہ زندہ باد کے نعرے لگائے۔ ایئر مارشل رحیم خان نے مسٹر بھٹو سے ایک گھنٹہ بند کمرے میں بات چیت کی۔ جو صرف ان دونوں کو ہی معلوم ہے۔

گل حسن اور رحیم خان سے خفیہ بات چیت کے نتیجہ میں مسٹر بھٹو نے یحییٰ خان۔ حمید۔ عمر۔ خداداد خان۔ ایس جی ایم پیرزادہ۔ کیانی اور جنرل مٹھا کو ریٹائرڈ کر دیا۔ کیونکہ یہ جنرل بھٹو کے انتقال اقتدار کے رازسے واقف تھے۔ فوج میں ان جرنیلوں کی موجودگی بھٹو کے اقتدار کے لئے خطرے کا باعث بن سکتی تھی۔ ان جرنیلوں میں ایس جی ایم پیرزادہ بھٹو کے سب سے بڑے محسن تھے۔ جنرل پیرزادہ ہی کی وجہ سے مسٹر بھٹو وزارت سے نکالے جانے کے بعد سیاست میں آگے بڑھے تھے۔ اسی جنرل کی وجہ سے ایوب خان کو چھٹی ملی تھی۔ یہ جنرل بڑے عرصہ سے ملک کا سربراہ بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ منصوبہ بنانے کا سخت ماہر تھا اور ساتھ ہی ذہین بھی۔ اس کی موجودگی سب سے زیادہ بھٹو کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس لئے اپنے محسن کو نکالنا اقتدار کی مضبوطی کے لئے سخت ضروری تھا۔ بیچارے پیرزادہ کا اقتدار حاصل کرنے کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکا۔

اس کے علاوہ بھٹو نے تمام فوجی گورنروں سے استعفیٰ لے کر انہیں بھی ریٹائرڈ کر دیا۔ یحییٰ خان۔ عمر اور حمید کو اُن کے

گھروں میں نظر بند کر دیا کیونکہ ان کی طرف سے راز فاش ہونے کا سخت اندیشہ تھا۔

بحریہ کے وائس ایڈمرل مظفر حسن۔ اور چار ایر ایڈمرل کو بھی ملازمت سے فارغ کر کے گھر بھیج دیا۔ میجر جنرل شوکت رضا۔ خادم حسین راجہ۔ ایم سی سندھوا۔

مسٹر بھٹو نے فضائیہ کو بھی نہ بخشا۔ فضائیہ کے ایر وائس مارشل محمد خیبر خاں۔ سیٹیون یوسف۔ کموڈر عبدالقادر۔ ایر کوڈور۔ صلاح الدین۔ ٹی ایس جان اور گروپ کیپٹن سید منصور احمد کو بھی جبری ریٹائرڈ کر دیا گیا۔

اس طرح مسٹر بھٹو نے اپنے اقتدار کی پائیداری کی خاطر پاکستان کی مسلح افواج کے تجربہ کار اور تربیت یافتہ تقریباً تیس افسروں کو نکال دیا۔ ان کو وقت سے بہت پہلے ریٹائرڈ کر دیا۔ ان کی جگہ جونیئر افسروں کو بے وقت ترقی دی گئی۔ اس طرح مسٹر بھٹو نے پاک فوج کو خاص مقصد کی خاطر کمزور کیا۔ مسٹر بھٹو ہر صورت میں حاصل کئے ہوئے اقتدار کو قائم و دائم رکھنا چاہتے تھے۔ افسران ۱۹۷۱ء کی جنگ کی ناکامی کو جانتے تھے۔ فوج میں ان کا رہنا مسٹر بھٹو کے اقتدار کی سلامتی کے لئے بہتر نہ تھا۔

مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی شیخ مجیب کو جیل سے نکال کر راولپنڈی کے عالیشان بنگلے میں منتقل کر دیا اور انہیں ہر قسم

کی سہولت بہم پہنچائیں ۔مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب سے ۲۷ر دسمبر کو ملاقات کی ۔ شیخ مجیب کو جب مشرقی پاکستان کی صورتِ حال کے بارے میں علم ہوا تو انہیں سخت صدمہ پہنچا ۔مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب سے کئی بار ملاقات کی اور اُن سے خفیہ مذاکرات کئے ۔شیخ مجیب نے مسٹر بھٹو سے کہا

" وہ پاکستان اب باقی تو نہیں رہ سکتا ۔اس لئے تم ہمیں میرے ساتھ فیصلہ کر لو۔"

مسٹر بھٹو نے کافی پہلوتہی کی کوشش کی ۔آخر دونوں میں طے پایا کہ "شہنشاہ ایران کو بلایا جائے اور اُن کی وساطت سے آر سی ڈی کو درمیان میں رکھ کر کوئی ایسا اعلان کیا جائے جس سے یہ تاثر ملے کہ پاکستان باقی ہے ۔ٹوٹا نہیں ۔"

مسٹر بھٹو شیخ مجیب سے شہنشاہ ایران کو بلانے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے ۔آٹھ گھنٹے کے بعد مسٹر بھٹو شیخ مجیب سے پھر ملے اور انہوں نے شیخ مجیب کو بتایا "شہنشاہ ایران نے آنے سے انکار کر دیا ہے آپ چلے جائیں ۔"

چنانچہ شیخ مجیب کو وائس ایئر مارشل ظفر چوہدری کے ساتھ طیارہ میں سوار کر کے نامعلوم مقام کی طرف بھیج دیا ۔شیخ مجیب کو خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں ۔ظفر چوہدری نے شیخ مجیب کو لندن چھوڑ دیا ۔اسی روز شہنشاہ ایران دوپہر کو راولپنڈی پہنچے ۔مسٹر بھٹو سے شیخ مجیب کے بارے میں پوچھا "شیخ مجیب راولپنڈی سے کہاں چلے گئے ۔" مسٹر بھٹو نے جواب

دیا وہ غیر معمولی جگہ جسے لندن کہتے ہیں"۔ شہنشاہ ایران سخت حیران تھے۔ شہنشاہ ایران تو دونوں حصوں میں تصفیہ اور تعاون کرانے آئے تھے۔ لیکن مسٹر بھٹو نے ذاتی مفاد کی بنا پر شہنشاہِ ایران کے آنے سے قبل ہی شیخ مجیب کو لندن بھیج دیا اور شیخ مجیب کو کسی سے ملاقات تک نہ کرنے دی۔ ایر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں نے شیخ مجیب سے ملاقات کی کافی کوشش کی لیکن مسٹر بھٹو ایسے حالات میں کسی دوسرے کو شیخ مجیب سے کیسے ملنے دیتے۔ رات کی تاریکی میں خود خفیہ بات چیت کر کے لندن روانہ کر دیا۔ اور خود لندن والوں کو بھی عین وقت پر یعنی آمد سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل اطلاع دی۔

شیخ مجیب کے لندن جانے کے بارے میں اخباری نمائندوں نے مسٹر بھٹو سے پوچھا تو مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ وہ اپنی مرضی سے گئے ہیں حالانکہ عین اسی وقت لندن میں شیخ مجیب سے اخباری نمائندے نے اپنے لندن آنے کے بارے میں پوچھا تو شیخ مجیب نے جواب دیا "کہ وہ اپنی مرضی سے لندن نہیں آئے وہ قیدی تھے۔" مسٹر بھٹو سے ایک اور اخباری نمائندے نے پوچھا۔

"کیا شہنشاہِ ایران شیخ مجیب سے ملنا چاہتے تھے" تو مسٹر بھٹو نے جواب دیا ایسا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اس

طرح مسٹر بھٹو نے ایک دوست ملک کی دونوں حصوں کو
کسی نہ کسی طریقے سے متحد کرنے کی کوشش کو ناکام بنادیا۔
آخر شہنشاہِ ایران ناکام ہو کر اسی روز واپس ایران
چلے گئے۔
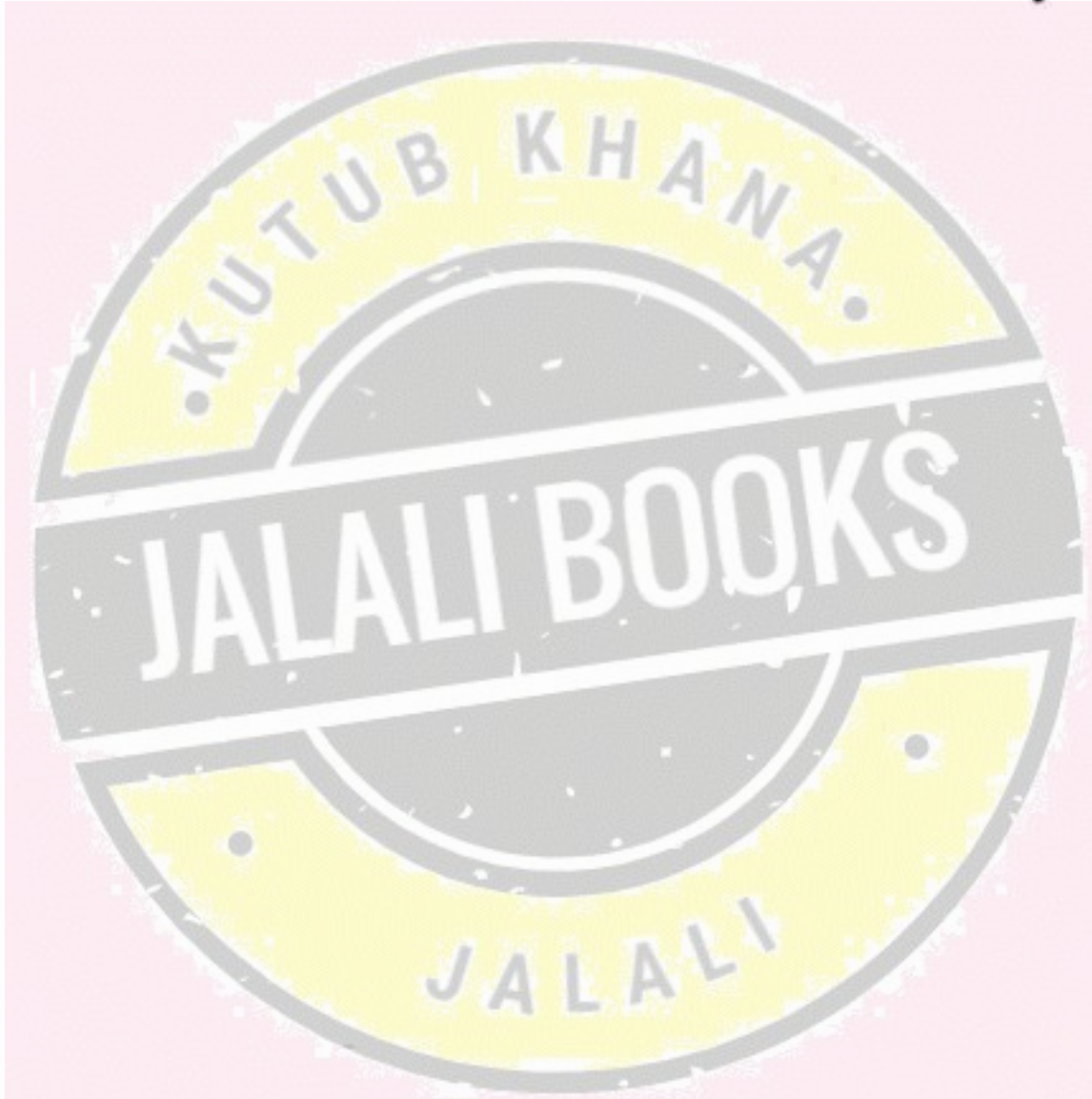
سقوطِ ڈھاکہ اور مغربی محاذ پر فائر بندی پر پورے مغربی پاکستان میں شدید ردِ عمل ہوا۔ لوگ سڑکوں پر اپنے جذبات کا اظہار کرنے نکل آئے۔ لاہور میں ۱۸ دسمبر کو لاکھوں کے ہجوم نے گول باغ سے گورنر ہاؤس تک سقوطِ ڈھاکہ اور مغربی محاذ پر فائر بندی کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ مظاہرین نے یحییٰ خان پر مقدمہ چلانے سقوطِ ڈھاکہ اور مغربی محاذ پر فائر بندی کی تحقیقات کرنے کا پر زور مطالبہ کیا۔ لاہور کے علاوہ، دوسرے بڑے بڑے شہروں میں بھی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مسٹر بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے بعد شروع میں ان مظاہروں پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ بلکہ اپنی پرانی زبان میں اعلان کیا کہ "جو لوگ سابق صدر پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

انہیں ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں شکست ہو چکی ہے۔ یہ لوگ بیرونی طاقتوں کے اشارے پر باتیں کر رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ سابق صدر پر مقدمہ چلانا چاہتے ہیں تو میں اس میں فریق نہیں بنوں گا۔"

صاف ظاہر تھا بھٹو نے حکومت کی طرف سے مقدمہ چلانے سے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اتنا بڑا معاملہ بغیر حکومت کے تعاون کے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن مسٹر بھٹو تو اپنا دامن بچانا چاہتے تھے۔ اگر یحییٰ پر مقدمہ چلتا تو مسٹر بھٹو بھی دھرے جاتے۔ یحییٰ خان نے بھی کہہ دیا تھا کہ "وقت آنے پر سب کچھ بتا دیا جائے گا۔" مسٹر بھٹو سب کچھ بتانے کا موقعہ نہیں دینا چاہتے تھے۔ لیکن مظاہرے طول پکڑ گئے۔ مردوں کے ساتھ خواتین بھی سڑکوں پر نکل آئیں۔ مسٹر بھٹو نے ۲۳ دسمبر کو مجبور ہو کر مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ کمیشن نے مشرقی پاکستان میں فوج کی ناکامی اور مغربی پاکستان اور کشمیر میں جنگ بند کرانے اور فوج کی تذلیل کے اسباب کی تحقیق کرنا تھا۔ عوام نے تو یحییٰ خان پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا تھا۔ سیاسی حلقوں نے کمیشن کے قیام پر اعتراض کئے اور یحییٰ پر مقدمہ چلانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن مسٹر بھٹو اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ کمیشن کے قیام کے اعلان کے بعد حالات پرسکون ہو گئے۔

کمیشن کو وسیع اختیارات دیئے گئے تھے۔ کمیشن کسی شخص کے برائے شہادت وارنٹ بھی جاری کر سکتا تھا۔ کمیشن کو یہ بھی اختیار

دیا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے بھارت میں محبوس جنگی قیدیوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے اپنی میعاد بڑھا سکتا ہے۔ کمیشن نہ صرف فوجی اسباب بلکہ معاشی اور سیاسی پہلوؤں کی بھی تحقیقات کرے گا۔ جسٹس حمود الرحمٰن نے اعلان کیا کہ جن لوگوں کے خلاف تحقیقات کے دوران الزام عائد کئے جائیں گے ان کو صفائی پیش کرنے کا بھی پورا موقعہ دیا جائے گا۔ نیز کوئی شخص جو کمیشن کے روبرو کوئی اطلاع فراہم کرنا یا شہادت دینا چاہے تو بلا خوف و خطر ایسا کر سکتا ہے۔ اس کو پورا تحفظ دیا جائے گا۔

تحقیقاتی کمیشن نے ۱۷ جنوری سے راولپنڈی میں تحقیق کا آغاز کیا پہلے ہفتہ کے دوران کوئی شہادت قلمبند نہ ہونا تھی۔ بلکہ مواد۔ حوالے اور ضروری ریکارڈ اکٹھا کرنے کے لئے وقت رکھا گیا۔ جنوری کے آخر سے کمیشن نے شہادتیں قلمبند کرنا شروع کیں کمیشن نے یہ رپورٹ نوّے دن کے اندر صدر بھٹو کو پیش کرنا تھی۔

کمیشن سے پورا تعاون کیا گیا۔ مسلح افواج کے افراد۔ سیاسی رہنماؤں اور دیگر افراد نے شہادتیں دیں۔ شہادتیں دینے والوں میں نور الامین۔ الیکشن کمیشن کے سیکرٹری احمد رضا۔ سابقہ ممبر قومی اسمبلی ملک غلام جیلانی۔ عبدالحفیظ کاردار۔ بحریہ کے ایم اے کے لودھی۔ قطب الدین عزیز۔ میجر جنرل شوکت رضا۔ میجر جنرل مظفر الدین۔ اُردو ڈائجسٹ کے ایڈیٹر الطاف حسین قریشی۔ بحریہ

کے ایس ایم احسن سیکرٹری دفاع غیاث الدین احمد۔ سیکرٹری
ایم ایچ صوفی - ایم ایم احمد - غلام اسحاق خاں - میجر جنرل غلام جیلانی
میجر جنرل محمد اسحاق - لفٹننٹ جنرل عبدالعلی ملک - ایر وائس مارشل
اے قادر - کموڈر اختر حنیف - وائس ایڈمرل ایچ ایم ایس چوہدری -
جے اے رحیم - محمود علی - سردار عبدالقیوم خاں - خان عبدالقیوم
خان - مولانا احتشام الحق - میاں منظر بشیر - ٹکا خان - جنرل یعقوب
میجر جنرل خادم حسین راجہ - میجر جنرل سرفراز اور دیگر افراد نے
کمیشن کے روبرو شہادتیں دیں - کمیشن کے روبرو فضائیہ کی جنگ
کے دوران کارکردگی کی فلم بھی دکھائی گئی ۔

کمیشن کے روبرو بعض فوجی افسروں نے ایسی شہادتیں دیں
اور بعض دینے والے تھے جس میں جنرل گل حسن اور ایر مارشل رحیم خان
کو مشرقی پاکستان کے سانحہ - مغربی محاذ اور کشمیر میں فائر بندی اور
پاک فوج کی تذلیل کا ذمہ دار ٹھہرایا - جنرل گل حسن اور ایر مارشل رحیم
خان یہ بات بالکل برداشت نہ کر سکتے تھے کہ وہ مجرم کی حیثیت سے
پاکستان میں یاد کئے جائیں - وہ کمیشن کو ختم نہیں کرا سکتے تھے - آخر
انہوں نے بری اور فضائی افواج کے افراد پر یہ پابندی لگادی کہ
" وہ شہادتیں دینے سے قبل ان کو بتائیں کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں -
اور وہی کہیں جو ان فوجی سربراہوں کی مرضی ہو - جن فوجی افسروں نے
اپنے سربراہوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا - یا جو ان کے دانہ سے

واقف تھے انہیں کسی بہانے سے ملک سے باہر امریکہ - اردن - چین اور بعض دوسرے ممالک میں سرکاری کام پر بھیج دیا تاکہ وہ شہادت نہ دے سکیں - فوجی حلقوں میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ یہ دونوں سربراہ کمیشن کے کام میں مداخلت کر رہے ہیں - چنانچہ ایک اعلیٰ فوجی افسر نے کمیشن کی آزادی اور پاکستان کے مفاد کے تحت مسٹر بھٹو کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ مسٹر بھٹو نے دوبارہ اس سے صلاح مشورہ کئے۔ اس اعلیٰ فوجی افسر نے مسٹر بھٹو کو واضح کر دیا کہ "اگر کچھ کرنا ہے تو لمحہ ضائع کئے بغیر کرو کیونکہ مسلح افواج میں ان دونوں گل حسن اور رحیم خان کے خلاف سخت نفرت پائی جاتی ہے - فوج بھی آپ کا ساتھ دے گی۔" مسٹر بھٹو نے گل حسن اور رحیم خان کو بڑے شائستہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کمیشن کے کام میں بالکل مداخلت نہ کریں - اور نہ ہی کمیشن کی رپورٹ سے ڈریں - لیکن یہ دونوں تو مسٹر بھٹو کو اقتدار میں لانے والے تھے - یہ بھٹو کے محسن تھے۔ مسٹر بھٹو انہیں کس طرح نصیحت کر سکتے تھے - ان دونوں نے اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے مسٹر بھٹو کو دھمکیاں دیں۔ مسٹر بھٹو خاموش ہو گئے۔

اب مسٹر بھٹو کا اقتدار پھر خطرے میں پڑ گیا - گل حسن اور رحیم خان مسٹر بھٹو کے خلاف ہو گئے تھے - دونوں افواج کے سربراہ تھے - وہ جو چاہتے کر سکتے تھے - چنانچہ صورت حال سے نپٹنے کی خاطر مسٹر بھٹو نے فوج کے کچھ اعلیٰ افسروں سے صلاح مشورہ کئے - اور پھر ایک فیصلہ کیا - یہ ۳ مارچ

تھا۔ ریڈیو ٹیلی ویژن ۔سنٹرل ٹیلی گراف آفس جی پی او اور دوسری سرکاری عمارات پر مسلح پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا۔ اور سہ پہر ہی ان عمارتوں کے دروازے اچانک بند کر دیئے گئے۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کی شاہراہوں پر فوج گشت کرنے لگی۔ یہ صورتِ حال غیر معمولی تھی۔

آخر ۳ مارچ کی سہ پہر کو گل حسن اور رحیم خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور دونوں کو کسی نامعلوم مقام پر نظر بند کر دیا گیا۔ مسٹر بھٹو کے اقتدار کے راستے کے کانٹوں کو صاف کر دیا گیا۔ یہ دونوں مسٹر بھٹو کے محسنین اعظم تھے۔ اقتدار مضبوط رکھنے کی ہوس نے احسان کا خیال بھی نہ کیا۔ غالباً گل حسن کو لاہور میں گورنر ہاؤس میں رکھا گیا۔

بعد میں دونوں کو غیر ملک میں سفیر بنا کر پاکستان سے باہر بھیج دیا گیا۔ نہ پاکستان میں ہوں گے نہ ہی کوئی راز کسی پاکستانی کے کان تک پہنچے گا۔ مسٹر بھٹو کی خاطر ملک کو داؤ پر لگانے والوں نے اپنا انجام دیکھ لیا۔ گل حسن کی جگہ ٹکا خان کو بری فوج اور ظفر چوہدری کو ایر مارشل رحیم خان کی جگہ فضائیہ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اس موقعہ پر مزید فوجی افسروں کو ریٹائرڈ کر دیا گیا۔

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کی صورت میں پاکستان سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ مسٹر بھٹو اپنی خواہش کے مطابق مغربی پاکستان کے ٹکڑے کے مالک ہو گئے تھے۔ اُن کے نزدیک یہ نیا پاکستان تھا۔ جس کی تعمیر کے عزم کا اظہار انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں کیا تھا۔ بنگلہ دیش دنیا کے نقشہ پر قائم ہوگیا تھا۔ لیکن ابھی اس میں متحدہ پاکستان کے حامیوں کی کافی تعداد تھی۔ جن کی خواہش تھی کہ دونوں حصے پھر ایک ہو جائیں۔ بنگلہ دیش سے ایسی خبریں آ رہی تھیں جو مسٹر بھٹو کی تشویش کا باعث بنی ہوئی تھیں۔ مثلاً متحدہ پاکستان کے حامیوں کا کئی شہروں پر قبضہ ہوگیا۔" "پاکستان کی فوج کے ایک حصہ نے ابھی ہتھیار نہیں ڈالے۔" امریکہ اور چین جیسی بڑی طاقتوں نے ابھی بنگلہ دیش کو تسلیم بھی نہیں کیا تھا۔ مسٹر بھٹو کو خدشہ تھا کہ کہیں یہ دونوں حصے متحد نہ ہو جائیں۔ مسٹر

بھٹو اپنے اقتدار کی ہر صورت میں سلامتی چاہتے تھے۔ ان کا اقتدار بنگلہ دیش کی علیحدگی پر مہر ثبت کرنے میں ہی سلامت رہ سکتا تھا۔ اس غرض کے لئے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا بھٹو کے نزدیک نہایت ضروری تھا۔ تاکہ متحدہ پاکستان کے حامی بددل ہو کر جدوجہد ترک کر دیں۔ اور غیر ملک بھی کسی قسم کی کوئی کوشش نہ کریں۔ روس اور بھارت بھی یہی چاہتے تھے کہ پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کرلے۔ لیکن پاکستان میں بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی فضا سازگار نہ تھی۔ پاکستان کے جگر پر ابھی تازہ زخم لگا تھا۔ زخم مندمل ہونے میں دیر تھی۔ بین الاقوامی سطح پر بھی حالات سازگار نہ تھے۔ نیز بنگلہ دیش فوراً تسلیم کرنے سے فوج اور عوام مسٹر بھٹو کے خلاف ہو جاتے اور اس طرح مسٹر بھٹو کے اقتدار کا خاتمہ ہو سکتا تھا جو بڑی محنت کے بعد حاصل کیا گیا تھا۔

بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے لئے مسٹر بھٹو کا سب سے پہلا کام فوج اور عوام کے ذہن کو تیار کرنا تھا۔ یہ ایک نفسیاتی عمل تھا جس کے مسٹر بھٹو بڑے ماہر تھے۔ وہ ذہنوں کو بتدریج موڑنا جانتے تھے۔ جنگی قیدی ابھی بھارت کی قید میں تھے جو بھارت میں مختلف کیمپوں میں رکھے ہوئے تھے۔

جہاں بھارتی ماہرین قیدیوں کی دماغی دھلائی — BRAIN WASHING کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ نوے ہزار قیدیوں کے دماغ سے دو قومی نظریے کو نکالنا چاہتے تھے۔ بھارت چاہتا تھا کہ قیدیوں کے دماغ میں برصغیر کی تقسیم کے خلاف نقش بیٹھ جائیں۔ وہ

پاکستان کے خلاف مہلک نظریات کی نشوونما کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن ان قیدیوں نے تو اسلام اور پاکستان کی خاطر بے سروسامانی میں ایک طویل عرصہ تک اپنے دشمن بھارت کا مقابلہ کیا تھا ۔ ان کے دماغ ایسے نظریات کیونکر قبول کر سکتے تھے ۔ ان نظریات کی خاطر جنگی کیمپوں میں دانشور ۔ ادیب ۔ شاعر اور دوسرے شعبہ سے تعلق رکھنے والے لوگ جا کر قیدیوں سے ملتے ۔ اپنی ہمدردی ان سے جتاتے اور پھر اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس لوٹتے ۔

پاکستان میں مسٹر بھٹو نے اپنا کام شروع کر دیا تھا ۔ مجیب سے اقتدار کی خاطر جھگڑا کرنے والا مجیب کے جانے کے بعد اعلان کر رہا تھا کہ وہ " اقتدار مجیب کے حوالے کرنے کو تیار ہے ۔" بھارت کو بھی جنگی قیدی رہا کرنے کی دھمکی دی گئی ۔ لیکن مسٹر بھٹو تو خود جنگی قیدیوں کو رہا کرانا نہیں چاہتے تھے وہ انہیں بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے لئے بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہتے تھے ۔ نوے ہزار جنگی قیدیوں کے لاکھوں لواحقین مغربی پاکستان میں ان سے ملنے کے لئے بے چین تھے ۔ مسٹر بھٹو ان کی اپنے جنگی قیدیوں سے محبت اور مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ۔ جنگی قیدیوں پر بھارتی تشدد کی خبروں کو سرکاری ذرائع ابلاغ سے خوب اچھالا گیا ۔ پھر رانچی میں بھارتیوں نے پاکستانی جنگی قیدیوں پر فائرنگ کر دی جس سے کئی قیدی شہید ہو گئے ۔ یہ فائرنگ پاکستان میں قیدیوں کی رہائی کے لئے مظاہروں کا سبب بنی ۔

مسٹر بھٹو نے پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے ذریعے جنگی قیدیوں کی رہائی کے پردہ میں بنگلہ دیش تسلیم کرانے کے لئے مظاہرے کرائے۔ اوران سے یہ تاثر دیا کہ عوام جنگی قیدیوں کے عوض بنگلہ دیش تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ مسٹر بھٹو نے نیوز ویک کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "اگر بھارت جنگی قیدی واپس کر دے تو پاکستان بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کو تیار ہے۔" مسٹر بھٹو نے عوام سے غلط تاثر لیا تھا۔ عوام کسی صورت میں بھی بنگلہ دیش تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ بھٹو نے حسب عادت عام جلسوں میں بنگلہ دیش کا معاملہ پیش کیا جس میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی۔ لیکن باغیرت عوام نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اسے نامنظور کر دیا۔ مجبوراً بھٹو کو بھی نامنظور کہنا پڑا۔ عوام تو قربانی دینا جانتے تھے۔ انہوں نے بھٹو کی بنگلہ دیش تسلیم کرنے کی پالیسی کے خلاف "بنگلہ دیش نامنظور" کی تحریک شروع کر دی اور اپنے جذبات کے اظہار کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔ اور ثابت کر دیا کہ ابھی اُن میں ایمان باقی ہے۔

حقیقت میں مسٹر بھٹو کو جنگی قیدیوں اور ان کے عزیز و اقارب سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے جنگی قیدیوں کی رہائی سے قبل ہی پہلے مسٹر بھٹو نے شیخ مجیب کو غیر مشروط طور پر رہا کر کے لندن بھیج دیا اور پھر بھارتی جنگی قیدیوں کو بلا جواز

غیر مشروط طور پر رہا کر کے خود الوداع کہا۔ جبکہ پاکستان کے نوّے ہزار
کے قریب جنگی قیدی اپنے وطن سے دُور اپنے بیوی بچوں اور والدین
سے دُور بھارت کے کیمپوں میں اپنے وطن اور عزیزوں کی یاد لیے
ہوئے وقت گزار رہے تھے اور اِن سے ملنے کے لیے بے چینی سے
انتظار کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان پر بھارت کا قبضہ ہوئے چار ماہ
سے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ ابھی مشرقی پاکستان میں مسلمانوں کا قتلِ
عام جاری تھا۔ اتنی بڑی فوج کا غیر مسلم کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا
صدمہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ پورے پاکستان میں سوگ کی سی کیفیت تھی
لیکن مسٹر بھٹو ان سب احساسات سے بے نیاز ۱۲ اپریل کی شام کو
چار بجے اپنے محافظ دستے کی معیت میں بگھی میں بیٹھ کر ریس کورس
گراؤنڈ راولپنڈی میں داخل ہو رہے تھے۔ مغربی پاکستان کے کونے
کونے سے آئے ہوئے پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے اُن کا تالیاں بجا کر
استقبال کیا۔ بہت سے لوگ ڈھول کی تھاپ پر رقص بھی کر رہے
تھے۔ مسٹر بھٹو سیدھے تقریب کے چبوترے پر گئے جہاں سوا چار
بجے جسٹس حمود الرحمٰن نے اُن سے صدارت کا حلف لیا۔ اس کے
بعد پاک فوج کے دستوں نے اُن کو گارڈ آف آنر پیش کیا۔ ہجوم
اتنا بے قابو تھا کہ فوج کے دستوں کو پریڈ کے لیے بھی جگہ نہ تھی۔
بڑی مشکل سے میجر عبدالرشید نے پریڈ کے لیے جگہ بنائی۔ بلکہ
دستوں نے جگہ خود بھی بنالی۔ پی۔ ایل۔ آرمڈ کور۔ توپ خانہ اور دوسرے

دستوں نے مارچ پاسٹ کیا اور اقتدار میں آئے ہوئے مسٹر بھٹو کو سلامی دی۔ پاک فضائیہ کے ۲۳ طیاروں نے بھی فلائی پاسٹ کیا مسٹر بھٹو کو سلامی دی۔ پاک فضائیہ کے طیاروں کی فلائی پاسٹ کی قیادت ایئر مارشل ظفر چوہدری نے کی۔ بری فوج کے طیاروں نے بھی صدر محترم جناب بھٹو کو سلامی دی۔ یہ اقتدار میں آنے کا جشن منایا گیا تھا۔ جبکہ اس وقت پوری قوم مشرقی پاکستان کا سوگ منا رہی تھی۔ لوگ ابھی سرحد پر شہید ہونے والوں کی یاد اپنے دل میں لئے پھر رہے تھے۔ پاک بھارت سرحد پر اب بھی فوج موریچوں میں پڑی ہوئی تھی۔ لیکن مسٹر بھٹو کو کسی بات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ وہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس کو مضبوط کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

بھارت نے بھٹو کی اقتدار دلانے میں پوری مدد کی تھی۔ تاشقند میں کئے ہوئے وعدے کو بھارتیوں نے پورا کر دکھایا تھا۔ اب آئندہ پروگرام کے لئے بھٹو اور اندرا کی ملاقات نہایت ضروری تھی۔ دونوں حکومتوں کا باقاعدہ رابطہ تو تھا لیکن سربراہوں کی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ ۴ اپریل کو اندرا نے لوک سبھا میں بتایا کہ " دونوں حکومتوں میں براہ راست بات چیت جاری ہے " یہ بات چیت کس کے بارے میں تھی اور اس کی نوعیت کیا تھی اس کی کوئی تفصیل نہ بتائی گئی۔ بھارت اور روس کی خواہش کے برعکس ابھی پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کیا تھا۔ مسٹر بھٹو عوام کے ذہن ڈھالنے میں ناکام ہو گئے۔ بنگلہ دیش کا معاملہ

چھوڑ کر اب مسٹر بھٹو نے اندرا سے ملاقات کے لئے زمین ہموار کرنا شروع کر دی۔ اب مسٹر بھٹو بھارت سے تعلقات کی باتیں کرنے لگے تھے۔ ۲۹ مارچ کو اخباری نمائندوں کو بتایا کہ "پاکستان کو بھارت کے ساتھ سفارتی تعلقات کی بحالی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اس کے ساتھ کچھ شرطیں بھی ہیں۔" مسٹر بھٹو نے ان شرائط کا کوئی ذکر نہ کیا۔ ۲۵ اپریل کو مسٹر ڈی پی دھر نے اندرا کے ایلچی کی حیثیت سے عزیز احمد سے مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات میں اخباری اطلاع کے مطابق اختلافات پیدا ہو گئے لیکن ۲۸ اپریل کو دھر کی مسٹر بھٹو کے ساتھ ملاقات کے بعد اختلافات دور ہو گئے عجیب اختلاف تھے۔ مسٹر بھٹو اور اندرا میں ملاقات مسٹر بھٹو کے مقاصد کے لئے نہایت ضروری تھی۔ مذاکرات کی دعوت بھٹو کو دی گئی۔ سربراہی ملاقات کی تیاریاں ہونے لگیں۔ عوام کی نظر جنگی قیدیوں پر لگی ہوئی تھیں اور عوام کا خیال تھا کہ اس ملاقات میں جنگی قیدیوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ لیکن عوام کی غلط فہمی اندرا کے ۲۴ جون کے بیان نے دور کر دی۔ اندرا نے کہا "مجیب کی عدم شرکت کی وجہ سے جنگی قیدیوں کا مسئلہ مذاکرات میں زیر غور نہیں لایا جاسکتا" اصل وجہ بنگلہ دیش نہ تسلیم کرنے کی تھی۔

آخر ۲۸ جون کو مسٹر بھٹو تقریباً نوّے افراد کی فوج ظفر موج لے کر عازم بھارت ہوئے۔ ۲۸ جون ہی کو دوپہر کے بارہ بجے یہ

وفد کبیر ہیلی کاپٹر کے ذریعے چندی گڑھ سے شملہ پہنچا۔ اس وفد میں مسٹر بھٹو کی صاحبزادی مس بے نظیر بھٹو بھی تھی جسے بھٹو کا پرسنل سیکرٹری بنا کر وفد میں شامل کیا گیا تھا۔ لیکن محترمہ نے کوئی پرسنل سیکرٹری کے فرائض سرانجام نہ دیئے۔ موصوفہ کا زیادہ وقت سیر۔ مختلف سنٹروں کے دیکھنے۔ تفریح کرنے اور شاپنگ کرنے اور دوسری غیر سرکاری مصروفیات میں گزرا۔ یہی حال وفد کے دوسرے اراکین کا تھا۔ اتنے بڑے وفد کو بھارتیوں نے بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھا تھا اور اسے اپنے لئے بوجھ سمجھا تھا۔ آخری روز پریس کانفرنس میں ایک بھارتی صحافی نے مسٹر بھٹو سے سوال کیا کہ "وہ اتنا بڑا وفد لے کر کیوں آئے ہیں؟" تو مسٹر بھٹو جھنجھلا اٹھے۔ انہوں نے جو جواب دیا وہ بالکل غیر منطقی تھا۔ انہوں نے کہا "میں یہ وفد خاص اسباب کی بنا پر اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ہمارے ہاں نئی قیادت کا قیام عمل میں آیا ہے۔ اور اس نئی قیادت اور عوام سب کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھانا ہے۔ ہم نئی نسل کے مابین زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور مسائل کے متعلق ہم خیال ہونا چاہتے ہیں۔ میں بڑے وفد کے بوجھ کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔"

لیکن اتنے بڑے وفد کے اراکین نے مذاکرات میں کوئی کردار ادا نہ کیا۔ مذاکرات میں عملی طور پر حصہ لینے والوں میں عزیز احمد۔ افتخار علی اور رفیع رضا شامل تھے۔ دو روز تک معاون وفد میں مذاکرات

ہوتے رہے۔ اختلاف کی خبریں بھی آئیں۔ دنیا کو بھی یہ تاثر دیا گیا کہ "بھارت جنگ بندی لائن کو مستقل کرنے کے لئے دباؤ ڈال رہا ہے۔ جسے پاکستان نے مسترد کر دیا ہے۔" بی بی سی لندن نے ۲۹ر جون کو مذاکرات پر یہ خبر دے کر دنیا کو حیران کر دیا کہ "ابھی تک تو شملہ میں بات چیت کا طریقہ کار بھی طے نہیں پا سکا۔"

۲۹ر جون کو عشائیہ میں بھٹو اور اندرا کی ملاقات ہوئی۔

۳۰ر جون کو معاون وفود میں تعطل کے بعد تجاویز پر اتفاق رائے ہو گیا۔ اسی روز مسٹر بھٹو اور اندرا میں بند کمرے میں تنہائی میں خفیہ بات چیت ہوئی جس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا گیا۔

یکم جولائی کو اندرا اور بھٹو میں پھر پندرہ منٹ تک خفیہ بات چیت ہوئی۔ بعد میں بات چیت میں عزیز احمد، رفیع رضا اور افتخار علی پاکستان کی طرف سے اور سورن سنگھ اور پی این کول اندرا کے معاون کی حیثیت سے شامل ہو گئے۔ مذاکرات کے بارے میں تعطل کی خبریں دی گئیں لیکن دو جولائی کو اچانک سمجھوتہ ہو گیا۔ اس روز اندرا اور بھٹو نے تین گھنٹے تک بات چیت کی لیکن معاہدہ کے نکات پر پہلے پندرہ منٹ میں ہی سمجھوتہ ہو گیا۔ بعد میں اندرا نے سورن سنگھ، جگجیون رام اور دیگر اعلیٰ افسروں سے مشورہ کے بعد معاہدہ پر دستخط کئے۔ جبکہ مسٹر بھٹو نے کسی سے کوئی مشورہ لینا ضروری سمجھا۔

مسٹر بھٹو نے معاہدہ تاشقند کو بنیاد بنا کر ایوب خان کے خلاف تحریک شروع کی تھی۔ یہ معاہدہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد جنوری ۱۹۶۶ء میں پاک بھارت میں طے پایا تھا۔ تاشقند میں مذاکرات کا محور کشمیر کا مسئلہ ہی رہا۔ جبکہ شملہ میں مذاکرات میں کشمیر کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔ دونوں فریقین میں سے اکثر دونوں معاہدوں کے لئے مذاکرات میں شریک تھے۔ مسٹر عزیز احمد۔ بھٹو۔ سورن سنگھ دونوں مذاکرات میں موجود تھے۔

تاشقند کانفرنس میں ایوب خان اور شاستری میں کوئی خفیہ ملاقات یا خفیہ بات چیت نہ ہوئی۔ جبکہ شملہ کانفرنس میں بھٹو اور اندرا میں کئی بار خفیہ بات چیت ہوئی۔ جس کی کوئی خبر نہیں۔

معاہدہ تاشقند کے متن کے مطابق :

- صدرِ پاکستان اور وزیرِ اعظم بھارت نے مسئلہ جموں و کشمیر پر بھی بات چیت کی اور دونوں نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کی۔
- دونوں میں طے پایا کہ دونوں ملکوں کے ہائی کمشنر واپس چلے جائیں اور اپنے عہدوں کا چارج سنبھال لیں۔
- دونوں ملک اپنے باہمی جھگڑے فوجی بل بوتے پر نہیں بلکہ پُرامن طریقوں سے حل کریں گے۔
- دونوں ملکوں کی افواج ۲۵ فروری سنہ ۱۹۶۶ء تک واپس چلی جائیں گی جہاں وہ ۵ اگست سنہ ۱۹۶۵ء سے پہلے تھیں۔
- دونوں ممالک جنگی قیدی واپس کرنے میں تعاون کریں۔
- دونوں ممالک اقتصادی۔ تجارتی اور ثقافتی تعلقات بحال کرنے میں اقدامات کریں۔
- دونوں ممالک پہلے معاہدوں پر عمل درآمد کریں۔
- دونوں ممالک اپنے اپنے ہاں ایسی فضا پیدا کریں کہ ایک ملک کے لوگوں کو ترکِ وطن کر کے دوسرے ملک میں جانا بند ہو جائے۔
- دونوں ممالک لوگوں کے اخراج سے متعلق مسائل اور جائیداد سے متعلق مسائل پر غور و خوض جاری رکھیں
- دونوں ممالک مستقبل میں کانفرنسیں منعقد کرنے کے انتظام کریں تاکہ قریبی تعلقات پیدا ہوں۔
- دونوں ملک ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔

- دونوں ملک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ بند کردیں۔
- دونوں ملک دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کریں۔

اس معاہدہ کے بعد دونوں ملک کی فوجیں پرانی پوزیشن پر واپس آ گئی تھیں۔ جنگی قیدیوں کا تبادلہ بھی ہو گیا تھا۔ کشمیر کا مسئلہ بھی دفن نہیں ہوا تھا۔ بھارت سے تجارتی تعلقات بھی شروع نہ ہوئے تھے۔ کوئی چیز معاہدہ کی خفیہ نہ تھی۔ جو کچھ تحریر میں آیا صرف اسی پر عمل ہوا۔ لیکن شملہ معاہدہ میں کشمیر کا کوئی ذکر نہ تھا۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں بھی خاموشی اختیار کی گئی تھی۔ شملہ معاہدہ کے متن کے مطابق :۔

"حکومت پاکستان اور بھارت نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ دونوں ممالک تنازعے اور مخالفت ختم کردیں جنہوں نے اب تک تعلقات کو خراب کیا ہے اور ایک دوستانہ اور ہم آہنگ تعلقات کے فروغ اور برِعظیم میں پائیدار امن کے قیام کے لئے کام کریں تاکہ دونوں ملک اب سے اپنے وسائل اور حقوق کو اپنے عوام کی خوشحالی کے بڑھتے ہوئے زبردست کام کے لئے وقف کرسکیں۔

اس مقصد کے حصول کے لئے دونوں ممالک مندرجہ ذیل باتوں پر متفق ہیں :۔

۱۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق دونوں ممالک تعلقات بڑھائیں گے۔

۲ - دونوں ملک اپنے اختلاف کو باہمی بات چیت کے پُرامن ذرائع سے طے کریں گے۔

۳ - دونوں ممالک میں سے آخری تصفیہ تک کوئی بھی یک طرفہ طور پر صورتِ حال کو نہیں بدلے گا۔

۴ - دونوں ممالک پُرامن بقائے باہمی۔ ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت۔ خود مختاری کا احترام کریں گے۔ اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں دخل نہ دیں گے۔

۵ - جھگڑے کے بنیادی مسئلوں اور وجوہات کو جنہوں نے دونوں ممالک کے تعلقات کو گذشتہ پچیس سال سے بگاڑ رکھا ہے پُرامن ذرائع سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

۶ - دونوں ایک دوسرے کی قومی یکجہتی۔ علاقائی سالمیت سیاسی آزادی اور حاکمیت کا احترام کریں گے۔

۷ - دونوں ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کی دھمکی یا استعمال سے گریز کریں گے۔

۸ - دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ بند کردیں گے۔

۹ - دونوں میں تعلقات کی بحالی کے لئے طے پایا

ا - مواصلات ڈاک و تار۔ فضائی رابطے بحال کئے جائیں گے۔

ب - ایک دوسرے ملک کے لئے سفر کی سہولتوں کو فروغ دیا جائے گا۔

ج۔ اقتصادی اور تجارتی اور ثقافتی تعلقات بحال کئے جائیں گے۔

د۔ سائنس اور ثقافت کے شعبوں میں تبادلہ کو فروغ دیا جائے گا۔

۱۰۔ دونوں ملک اپنی فوجوں کو بین الاقوامی سرحد پر واپس لے جائیں گے۔

۱۱۔ فوجوں کی واپسی معاہدے کے نافذ ہوتے ہی شروع ہو جائے گی۔ اور تیس دن کے اندر مکمل ہو جائے گی۔

۱۲۔ جموں و کشمیر میں ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کے نتیجہ قائم ہونے والی کنٹرول لائن کا دونوں ملک احترام کریں گے۔ دونوں ملک یک طرفہ طور پر تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

۱۳۔ دونوں ملک کی طرف سے اس معاہدہ کی توثیق ان کے اپنے آئینی طریقۂ کار کی تابع ہوگی۔ اور اس کا نفاذ اس تاریخ سے ہوگا جب توثیق شدہ دستاویزات کا تبادلہ ہوگا۔

۱۴۔ دونوں ملکوں کے سربراہوں کی آئندہ ملاقات مستقبل میں دونوں کی سہولت کے مطابق ہوگی۔ اس دوران دونوں طرف کے نمائندے آپس میں ملاقات کریں گے تاکہ دیرپا امن اور تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے بات چیت ہو سکے۔

مسٹر بھٹو نے معاہدہ شملہ کو بہت بڑا کارنامہ قرار دیا تھا۔

شملہ کانفرنس کے بعد واپسی پر لاہور میں عوام کے بہت بڑے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر بھٹو نے از خود کہا تھا کہ اُس نے بھارت سے کوئی خفیہ سمجھوتہ نہیں کیا۔ اُس نے اصولوں پر کوئی سودے بازی نہیں کی۔ معاہدہ کو ایک نظر دیکھتے ہی ایک بات صاف طور پر عیاں ہو جاتی ہے کہ مسٹر بھٹو نے کشمیر اور جنگی قیدیوں کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ دیا تھا معاہدہ میں جنگی قیدیوں اور کشمیر کے مسئلہ کا کوئی ذکر نہیں۔ رہا خفیہ معاہدہ کا سوال۔ تو بھٹو اور اندرا میں مذاکرات کے دوران تنہائی میں خفیہ بات چیت ہوتی رہی۔ ۳۰ جون کو جب اندرا اور بھٹو میں پہلی خفیہ بات چیت ہوئی تو اخباری نمائندے بات چیت معلوم کرنے کے لیے سخت منتظر تھے۔ لیکن جب کانفرنس روم سے دونوں باہر آئے تو اندرا نے اخباری نمائندوں کو جواب دینے ہی سے صاف انکار کر دیا۔ مسٹر بھٹو سے اندرا کے تنہائی میں بند کمرے میں ملاقات کے بارے میں پوچھا گیا تو مسٹر بھٹو نے صرف اتنا کہا کہ "ہم نے مسائل پر گفتگو کی ہے اور دوبارہ بات چیت کریں گے۔" اس بات چیت سے وفد کے دوسرے اراکین کو بھی مطلع نہ کیا گیا۔

یکم جولائی کو بھی اندرا اور بھٹو میں بات چیت ہوئی جس میں دونوں کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ سب بات چیت سے سب سے پردہ داری کی گئی۔ پندرہ منٹ کی تنہائی میں بات چیت کے بعد دوسرے

اراکین کو شامل کیا گیا۔

دو جولائی کو عشائیہ کے بعد دونوں میں تین گھنٹہ پھر تنہائی میں بات چیت ہوئی۔ جبکہ سمجھوتہ کے نکات پہلے پندرہ منٹ میں ہی طے کر لئے گئے تھے۔ باقی پونے تین گھنٹے وہ کیا کرتے رہے۔ یہ دونوں ہی جانتے ہیں۔

بہر حال خفیہ بات چیت ہوئی۔ کوئی تو اس بات چیت میں ایسی بات تھی جس کی پردہ داری کی گئی۔ جو کچھ طے ہوا خفیہ بات چیت میں طے ہوا تھا۔ آخر خفیہ بات چیت خفیہ مقاصد کی خاطر تو ہوتی ہے۔ کیا خفیہ بات چیت میں طے ہوا تھا؟ یہ وہ دونوں بہتر طور پر جانتے ہیں لیکن قوم کو اتنا علم ہے کہ شملہ معاہدہ کے ظاہری متن سے دور مسٹر بھٹو نے بہت کچھ کیا۔ یہ خفیہ سمجھوتہ ہی تھا جس کے تحت پاکستان خام مال بھارت پہنچنا شروع ہو گیا۔ اسی خفیہ بات چیت کے نتیجہ میں پاکستانی کارخانوں کو قومی ملکیت میں لے کر معیشت کو سخت نقصان پہنچایا گیا۔ خام کپاس بھارت کو برآمد کی گئی جبکہ خام کپاس کی کھپت کی پاکستانی کپاس بیلنے کے کارخانوں میں کافی گنجائش تھی۔ سرکاری طور پر گندم خرید کر اسے ضائع کیا گیا۔ بھارتی مصنوعات کو مقام دیا گیا۔ کشمیر کی جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد بنانے کی کوشش کی گئی اور آزاد کشمیر کی حیثیت ختم کر کے اسے پاکستان میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طریقے سے

کشمیر کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کی کوشش کی گئی۔ دفاع کو کمزور کیا گیا۔ ہمارا حوصلہ پست کرنے کی کوشش کی گئی۔ بھارتی جارحیت کی یاد پاکستانیوں کے دلوں سے ختم کرنے اور دوقومی نظریے کی بیخ کنی کے لئے یوم دفاع پاکستان کی حیثیت کو ختم کیا گیا۔ اور اس طرح کے دوسرے اقدامات مسٹر بھٹو نے کئے جس سے دوقومی نظریہ کی نفی ہونے کا ذکر اس کتاب میں تفصیلی طور پر نہیں کیا جاسکتا۔

▼▼

کتابیات

1. BANGLA DAISH ITS DARK PAST AND DIM FUTURE BY DR. ANWAR I. QURESHI.

2. EAST PAKISTAN TO BANGLA DESH BY BRIG. SAADULLAH KHAN, H. J.

3. INDIA, PAKISTAN, BANGLA DESH AND MAJOR POWERS BY G.W. CHAUDHARY

4. LAST DAYS OF UNITED PAKISTAN BY G. W. CHAUDHARY.

5. MASSACRE BY ROBERT PAYNE.

6. PAKISTAN CRISIS IN LEADERSHIP BY MAJ. GENERAL FAZAL MUQEEM

7. PAKISTAN FAILURE IN NATIONAL INTEGRATION. BY RONAQ JAHAN.

8۔ سقوطِ مشرقی پاکستان — صفدر محمود

9۔ مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش — محمد حنیف شاہد

10۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی دردناک کہانی — رانا رحمٰن ظفر

11۔ شاہ احمد نورانی

ابوداؤد محمد صادق

12۔ ہندو کیا ہے؟

میاں امیر الدین

13۔ DAILY DAWN

14۔ اردو ڈائجسٹ

15۔ ہفت روزہ زندگی

16۔ ہفت روزہ طاہر

17۔ روزنامہ مشرق

18۔ روزنامہ نوائے وقت

19۔ ہفت روزہ اسلامیہ جمہوریہ اگست دسمبر ۱۹۷۷ء

20۔ NEWS WEEK TIME

21۔ شکریہ

مصنف کی دیگر تصنیفات

غداروں کی جنت.... پاکستان

نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی عبرت آموز داستان

اسلام کے عظیم سپاہ سالاروں کی ایمان افروز داستان

تاریخ پاکستان (آزادی سے غلامی تک) زیر طبع

کہکشاں پبلشرز ملتان